ملفوظات

اسعدُ الابرار

جمع کنندہ

حضرت اقدس مولانا سید محمد ابرار الحق صاحب دام ظلہم

خلیفہ مجاز بیعت حکیم الامت حضرت تھانویؒ

تصحیح کنندہ

حضرت اقدس مولانا اسعدُ اللہ صاحبؒ رامپوری

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی

و

سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

بزمانہ قیام لکھنؤ

ملفوظات اسعد الابرار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی نبیه الکریم

رجب ۱۳۵۷ھ روز جمعہ بر مکان مولوی محمد حسن صاحب

محلہ مولوی گنج

ایک غلطی کی اصلاح

۱۔ کرنال کے ایک نواب زادہ کا خط آیا تھا اس میں جواب کے لئے ٹکٹ رکھا تھا پتہ لکھا ہوا لفافہ نہ تھا اور حضرت اقدس کا معمول یہ ہے کہ ایسی صورت میں پتہ اپنے قلم مبارک سے تحریر نہیں فرماتے ہیں بلکہ خط کے اس حصہ کو جہاں کاتب نے اپنا پتہ خود لکھا ہے اوپر کر کے ٹکٹ چسپاں فرما دیتے ہیں تاکہ پتہ میں کسی قسم کی غلطی کا بھی احتمال نہ رہے۔ اور کاتب کو یہ تنبیہ بھی ہو جائے کہ بلا ضرورت و بلا استحقاق اپنے کام کا بار دوسروں پر نہ ڈالنا چاہئے۔ چنانچہ نواب صاحب کے خط کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا اور اس پر یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر خود لفافہ لکھ دیا جاتا تو مجھ کو سہولت ہوتی۔ پھر فرمایا کہ ان کے لئے یہی جواب مناسب ہے اور اصلاح کے لئے یہی کافی ہے۔ البتہ عام طور پر یہ لکھا کرتا ہوں کہ اگر لفافہ ہوتا تو مجھ کو تکلیف نہ ہوتی۔ اس واقعہ پر وصلی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے نواب صاحب کے لئے اپنا لفافہ غالباً اس وجہ سے خرچ نہیں کیا کہ ان کی اصلاح بھی ہو جائے کہ دوسرے کو خط لکھا جائے تو لفافہ پر پتہ خود لکھنا چاہئے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہم آپ کی نوابی اور ریاست سے متاثر نہیں ہوتے ہیں کہ دب کر بے اصول کام کریں اس طریقہ سے علماء کا وقار قائم رہتا ہے۔ البتہ ان کی نوابی کی اس قدر رعایت ضرور فرمائی کہ نسخہ

حسب مزاج نرم تجویز فرمایا گیا۔ چنانچہ تکلیف کا اظہار بھی نہیں کیا البتہ دوسری شق میں راحت کا ہونا بتلا دیا۔ یہ سن کر فرمایا کہ جی ہاں یہی مصلحتیں ہیں جن کی طرف ہر ایک کا ذھن بھی نہیں جاتا اور میں ہر مقام کہاں تک اسرار و مصالح بیان کروں اور کچھ ضرورت بھی نہیں اور اعتراض سے بچنا یہ کوئی ضرورت نہیں۔

ابن القیم اور ابن تیمیہ کے بارے میں ارشاد

۲۔ فرمایا ابن القیمؒ اور ابن تیمیہ دونوں استاد شاگرد بہت سے مسائل میں منفرد ہیں یہی وجہ ہے کہ جماہیر علماء ان سے خوش نہیں لیکن باوجود اس کے خود علماء ان کے علم وفضل کی بہت عظمت کرتے ہیں۔ ایک عالم صاحب سے کسی نے انکے متعلق دریافت کیا کہ یہ دونوں بزرگ کس پایہ کے تھے۔ انہوں نے ایک عجیب عنوان سے جواب دیا کہ ''علمهما اکثر من عقلهما'' یعنی ان دونوں بزرگوں کا علم وفضل ان کی عقل واجتہاد سے زائد ہے۔ اس جواب سے ان کا صحیح درجہ بھی بتا دیا کہ ان کی نقل تو معتبر ہے مگر ان کا اجتہاد جمہور کی مخالفت میں غیر معتبر ہے۔ اور ان کے علم کے احترام کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا ورنہ اس مضمون کو دوسرے بھدے عنوان سے بھی بیان کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً ''عقلهما اقل من علمهما''۔ اس اختیار فرمودہ عنوان سے جہاں علم کی عظمت معلوم ہوئی وہاں عقل کی قلت کی جانب بھی لطیف اشارہ ہو گیا اور دوسرے عنوانات سے یہ بات حاصل نہ ہوتی۔

توسل کی حقیقت

۳۔ ایک صاحب نے توسل کی حقیقت اور اسکے جواز وعدم جواز کے متعلق سوال کیا حضرت اقدس نے جواب میں حسب ذیل مبسوط تقریر فرمائی۔ توسل لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے ''وابتغوا الیہ الوسیلة'' یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ بعض حضرات نے بلا دلیل الوسلیۃ کی شیخ ومرشد کے ساتھ بالتخصیص تفسیر کی ہے حالانکہ اس خصوصی تفسیر کی کوئی ضعیف دلیل بھی موجود نہیں۔ ہاں شیخ وسیلہ کے عموم میں آ سکتا ہے اور اسکا ایک فرد

بن سکتا ہے کیونکہ وسیلہ کے معنی ہیں "ما یتقرب به الی الله تعالیٰ" یعنی ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو اور چونکہ شیخ سے بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی وسیلہ کے عموم میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ اسباب قرب میں سے ایک شیخ بھی ہے باقی بالتخصیص شیخ کے ساتھ تفسیر کرنا صحیح نہیں۔ اور بعض نے تو اس سے بھی زائد غضب کیا۔ کہا کہ وسیلہ سے آیت میں بیعت شیخ مراد ہے یہ تو بالکل تحریف ہی ہے۔ ہاں وسیلہ کے عموم میں شیخ کی تعلیم تلقین اور اصلاح داخل ہو سکتی ہے باقی بیعت وہ صرف اس تعلیم و تلقین کی اتباع کا معاہدہ ہے خود وہ اسباب قرب سے نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ وسیلہ کے حاصل معنی حق تعالیٰ سے تقرب حاصل کرنے کے ہیں باقی اس توسل کی ایک خاص صورت ہے یعنی یہ دعا کرنا کہ یا اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہماری فلاں مراد پوری کر۔ اس کو جمہور جائز کہتے ہیں اور ابن تیمیہؒ منع کرتے ہیں اور چونکہ اسکی ممانعت کی دلیل نہیں۔ چنانچہ عنقریب اسکی تحقیق آتی ہے اس لئے اس توسل کو منع کرتے ہیں۔ جو استعانت و استغاثہ تک پہنچ جائے کیونکہ اس سے شرک لازم آتا ہے اور ایسے توسل کو سب علماء منع کرتے ہیں اب میں توسل کی اس خاص صورت کی حقیقت بیان کرتا ہوں اسکے متعلق مجھ کو بہت دنوں تردد رہا کہ ان الفاظ کے معنے کیا ہیں۔ ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے دریافت کیا کہ حضرت یہ جو کہتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارا یہ کام فلاں بزرگ کے واسطے سے کر دیجئے اس کی کیا حقیقت ہے اور واسطہ کے کیا معنی۔ اخیر عمر میں حضرت کی ظاہری بینائی نہیں رہی تھی اور آواز سے پہچانا نہیں اس لئے دریافت فرمایا کہ کون دریافت کرتا ہے میں نے عرض کیا اشرف علی۔ حضرت کو میرا نام سن کر اپنے حسن ظن کی وجہ سے تعجب ہوا فرمایا تم پوچھتے ہو؟ میں خاموش ہو گیا اور پھر دریافت نہیں کیا کیونکہ میں نے قرائن سے سمجھ لیا کہ حضرت کو اس وقت جواب میں نشاط نہیں۔ لہذا دوبارہ سوال کر کے بار ڈالنا ادب کے خلاف ہے۔ پھر اسی سلسلہ میں جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ تحصیل درسیات میں بھی میرا یہی معمول رہا ہے کہ استاد کو جب بشاش نہیں دیکھتا تھا تو دریافت نہیں کرتا تھا (ماہرین فن تعلیم نے بھی طلبہ کے لئے یہی تجویز کیا ہے) اور دوسرے وقت پر اٹھا رکھتا تھا۔ استاد تو استاد ہے۔ اسکا بڑا درجہ ہے۔ میرا تو یہ دستور ہے کہ ادنیٰ

سے ادنیٰ مسلمان پر بھی کسی قسم کا بار ڈالنا پسند نہیں کرتا حتی کہ اپنے ذاتی تنخواہ دار ملازموں سے بھی کہہ رکھا ہے کہ اگر تم کو کوئی ایسا کام بتلایا جائے جس کا تم سے بسہولت تحمل نہ ہو اور گرانی ہو تو فوراً مجھے اطلاع کر دینا۔ میں دوسرا انتظام کرلوں گا۔ چنانچہ ملازمین بعض دفعہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہم سے نہیں ہوسکتا میں بخوشی دوسرا انتظام کر لیتا ہوں۔ میں ایسی تو رعایتیں کرتا ہوں لیکن لوگ مجھ کو پھر بھی سخت کہتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ماقبل کی جانب عود فرما کر بیان فرمایا کہ پھر حضرت سے سوال نہیں کیا۔ چند روز کے بعد ایک روز میں خانقاہ سے مکان جا رہا تھا اور حوض والی مسجد کے قریب پلکھن کے نیچے پہنچا تھا تو خود بخود حضرت کی برکت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مطلوب سمجھ میں آ گیا۔ الحمدللہ ایسے مواقع خوب یاد ہیں جہاں پر اس قسم کی علمی نعمتیں عطا ہوئی ہیں ۔ اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب عود فرمایا کہ اول میں ابن تیمیہ کا مذہب بیان کئے دیتا ہوں پھر توسل کی حقیقت عرض کروں گا۔ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ توسل اعمال صالحہ سے تو مطلقاً جائز ہے اور اعیان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ زندہ ہوں تو بایں معنی جائز ہے کہ ان سے دعا کی درخواست کی جاتی ہے اور اموات سے ناجائز کیونکہ وہاں یہ معنی متحقق نہیں۔ اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ توسل بالاعمال کے جواز پر بخاری کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تین آدمی ایک غار میں بند ہو گئے تھے اور تینوں میں سے ہر ایک نے اپنے ایک ایک عمل سے توسل کیا یعنی ان کا واسطہ دے کر نجات کی دعا کی۔ اور وہ دعا قبول ہوگئی۔ پھر توسل بالاعیان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے استسقاء میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے تو توسل کیا جس کے وہی معنی ہیں کہ ان سے دعا کی درخواست کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل نہیں کیا ۔ اگر غیر احیاء سے توسل جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے توسل کو اختیار فرماتے۔ جمہور علماء نے اس اخیر جزو کے متعلق بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس ﷺ سے اس لئے توسل کیا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جائز ہے ہی غیر نبی کے ساتھ بھی جائز ہے نہ یہ کہ موتی کے ساتھ توسل ناجائز ہے۔ غرض ابن تیمیہ موتی کے ساتھ توسل کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں اور جس طرح ابن تیمیہؒ نے ان کی

ممانعت میں غلو کیا ہے اسی طرح بعض جاہل صوفیوں نے جانب جواب میں افراط سے کام لیا ہے۔ وہ مردہ کو مخاطب کر کے اس سے حاجتیں مانگتے ہیں اور ایک درجہ بین بین ہے کہ مردہ سے حاجت تو نہ مانگے مگر اس سے یہ کہے کہ تم ہمارے واسطے دعا کرو سو اسکا بھی کہیں ثبوت نہیں۔ اور میں اسکو ناجائز تو نہیں کہتا لیکن چونکہ ثبوت نہیں ہے اس لئے احتیاطاً اس سے احتراز ہی چاہئے۔ ایک مرتبہ اس کے متعلق مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی سے میری تحریری گفتگو بھی ہوئی ہے۔ میں نے ایک مضمون میں یہ لکھا تھا کہ اس قسم کے توسل کا نافع ہونا اس وقت ثابت ہوسکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ مردے دعا کرتے ہیں مولوی اسمٰعیل صاحب نے تلاش کر کے ایسی روایات پیش کیں جن میں اموات کا احیاء کے لئے دعا کرنا منقول ہے مگر میں نے جواب میں لکھا کہ احادیث میں صرف اتنا وارد ہے کہ کسی کے ثواب بخشنے پر موتی اس واہب کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ تو ان سے ایک خاص موقع پر خاص دعا کا ثبوت ہوا۔ حالانکہ آپ کا دعویٰ عام ہے کہ جس حاجت کے لئے درخواست کی جائے مردے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ خاص دلیل سے عام دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔ یعنی احادیث سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ فلاں عمل کی وجہ سے وہ فلاں دعا کرتے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ جو دعا تم چاہو گے وہ کریں گے۔ لہذا دعویٰ بلا ثبوت ہی رہا۔ مولوی صاحب اس کی کچھ توجیہہ کرنا چاہتے تھے۔ میں نے لکھ دیا کہ اب میں جواب کی حاجت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ آپ عموم دعا کی دلیل نہیں پیش کر سکے۔ اب آپ کو اختیار ہے خواہ رد کیجئے یا خاموش رہیے۔ دونوں کی تحریریں شائع ہوگئی ہیں ان کو دیکھ کر ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ کیا عقیدہ رکھا جائے۔ اسی دوران میں میں نے مولوی صاحب کے صاحبزادہ کو لکھ دیا جو مجھ سے دینی تعلق رکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میرا اور تمہارے والد صاحب کا اختلاف ہے۔ کسی ایک صورت پر اتفاق نہیں ہوا۔ اب تم مختار ہو چاہے اپنے والد صاحب کا مسلک اختیار کرو۔ چاہے میری تحقیق اور رائے کو مانو۔ انہوں نے نہایت اچھا جواب لکھا کہ والد صاحب کا اور میرا تعلق دنیوی اور حسی ہے اور آپ سے دینی اور معنوی ہے اور یہ مسئلہ بھی دینی ہے اس لئے میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے گو اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔ لیکن ان کو

مجھ سے محبت بہت تھی۔ جب میرے بعض متعلقین حج کو جا رہے تھے اور میں بمبئی ان کو رخصت کرنے گیا تو بمبئی میں ان کے صاحبزادہ ملے۔کہا کہ والد صاحب کا خط آیا ہے اس میں مجھے بتاکید لکھا ہے کہ میں آسائش کا مکان لے کر اس میں حضرت کو ٹھہراؤں اور ہر طرح کی خدمت کا اہتمام رکھوں۔ اگر حضرت نے قیام وطعام منظور نہ فرمایا تو وہ مجھ پر سخت ناراض ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے تین سو روپیہ ماہانہ کے کرایہ کا مکان تجویز کیا۔ اور میں نے اسی میں قیام کیا۔ یہ صاحبزادہ اپنے والد کے بہت فرمانبردار ومطیع تھے۔ اپنی ساری آمدنی ان کے سپرد کردیتے تھے اور خود اگر کسی شے کی ضرورت ہوتی تو ان سے کہہ کر خرچ لے لیتے تھے۔ ان کی سکونت کا ایک مکان بمبئی میں تھا۔ ان کے والد نے پڑوس کی بے پردگی کی وجہ سے مکان کی ایک کھڑکی بند کردی تھی۔ والد صاحب بمبئی سے وطن چلے آئے اور وہ پڑوسی بھی کہیں چلا گیا اس وقت ان سے کہا گیا کہ اب اس کھڑکی کو کھول دو ہوا آئے گی۔ انہوں نے کہا توبہ توبہ میری کیا مجال کہ جس کھڑکی کو والد صاحب بند فرما گئے ہوں اس کو میں کھول دوں۔ دیکھئے باوجودیکہ والد صاحب کے اس قدر اطاعت گزار تھے لیکن مسئلہ توسل میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اس کے بعد پھر اصل مضمون کی جانب عود فرمایا کہ توسل بالاعمال کو تو ابن تیمیہؒ بھی جائز کہتے ہیں۔ اگر میں ان کے زمانہ میں ہوتا یا وہ میرے زمانہ میں ہوتے تو میں نہایت ادب سے عرض کرتا کہ حضرت اس توسل بالاعمال کی حقیقت ہے کیا۔ میری سمجھ میں تو اسکی یہ حقیقت آئی ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اے اللہ فلاں عمل کے طفیل وصدقہ میں یہ کام کردے تو اسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اے اللہ یہ عمل آپ کے نزدیک محبوب ہے اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے عمل محبوب سے جس کو تلبس ہو اس پر خاص رحمت ہوتی ہے اور اس عمل کے ساتھ ہم کو بھی کسب صدور کا تلبس ہے۔ لہذا اس تلبس پر جو وعدہ رحمت کا ہے ہم آپ سے اس رحمت کو طلب کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اگر کوئی توسل بالاعیان بھی کرے تو توسل بالاعیان اور توسل بالاعمال میں کیا فرق ہے پھر خواہ وہ اعیان احیا ہوں، یا اموات کیونکہ اب اس توسل بالاعیان کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ یہ بزرگ زندہ یا مردہ آپ کے محبوب ہیں اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے محبوب سے جس کو تلبس ہو اس پر رحمت ہوتی ہے اور ہم کو ان

بزرگ کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تلبس ہے۔ اس لئے ہم آپ کی اس رحمت موعودہ کے طلب گار ہیں۔ اب فرمایئے کہ اس میں احیاء اور اموات کا کیا فرق رہ گیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ابن تیمیہؒ اگر زندہ ہوتے تو علی الاطلاق توسل بالاعیان الموتی کی ممانعت سے رجوع فرما لیتے مگر اب بھی میں ان کے قول کی یہ توجیہہ کرتا ہوں کہ توسل ممنوع سے مراد ان کی وہ توسل ہے جو فریاد واستغاثہ تک پہنچا ہوا ہو۔ اور مطلقاً توسل بالموتی کی ممانعت نہیں کرتے ہیں یا یہ توجیہ کی جائے کہ توسل ممنوع تو وہی توسل ہے جو فریاد واستغاثہ کی شکل میں ہو مگر انہوں نے سدا للباب مطلقاً ممانعت کر دی تا کہ عوام جائز توسل سے ناجائز میں نہ پھنس جائیں۔ کیونکہ توسل صرف مباح اور جائز ہی ہے۔ مقاصد واجبات سے تو ہے نہیں اور جس جائز امر سے فتنہ وگمراہی کے پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ اگر اہل علم اس سے روک دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ مطلقاً توسل بالموتی کی ممانعت ہے جیسے ابن تیمیہؒ کا ظاہر قول ہے اور نہ یہاں تک جواز کا ثبوت ہے کہ ان سے حاجات یا بدرجہ احتیاط دعا کی درخواست کی جائے۔ بین بین درجہ وہ ہے کہ جس کو میں نے بیان کر دیا ان کے طفیل سے دعا کر لیجائے جس کی حقیقت طلب رحمت موعودہ بالتلبس ہے خواہ تلبس صدور کا ہو کمافی الاعمال خواہ محبت کا ہو کمافی الاعیان۔ پس اعتدال پر رہ کر افراط وتفریط سے بچنا لازم ہے۔

سماعِ موتیٰ

۴۔ ایک صاحب نے سماع موتی کے متعلق دریافت کیا فرمایا کہ اہل کشف تو عموماً سماع موتی کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں میں انہیں کا معتقد ہوں۔ کیونکہ مجھے ظن غالب ہے کہ موتی سنتے ہیں۔ دیکھئے حدیث میں صاف وارد ہے **وانہ لیسمع قرع نعالھم** یعنی مردہ گورستان میں آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور خبر واحد موجب ظن ہی ہو سکتی ہے۔

فقہاء حکماء اسلام میں

۵۔ ایک گفتگو کے دوران میں فرمایا فقہاء جن کو لوگ خشک کہا کرتے ہیں وہ کس قدر ادب کی

بات فرماتے ہیں ۔ ہر شخص کی میت کے ساتھ وہ معاملہ کرنا چاہئے جو اس کے ساتھ اس کی حیات میں کرتے ۔ مثلاً زندگی میں یہ شخص از راہ ادب ان سے جتنے فاصلہ سے بیٹھا کرتا تھا اس کیقبر سے بھی اتنا ہی فاصلہ رکھنا چاہئے فقہا حکماء اسلام میں سے ہیں وہ خشک تھوڑا ہی تھے ۔ انہوں نے جہاں زیادہ روک تھام کی ہے عوام کی اصلاح کے لئے کی ہے ۔

تصور شیخ

۶ - فرمایا مولانا گنگوہیؒ سے ایک صاحب نے تصور شیخ کے متعلق سوال کیا کہ جائز ہے یا نہیں فرمایا حرام ہے اور ایک صاحب کو خود تصور شیخ کی ترغیب دی ۔ واقعہ یہ ہے کہ مریض اور اس کا مزاج جیسا ہوتا ہے ویسی ہی دوا بتائی جاتی ہے ۔ شریعت کی حفاظت بہت ضروری ہے ۔ بعض اوقات انسان کسی غلط فہمی وغیرہ کی وجہ سے حدود و قیود کی رعایت نہیں کرتا ہے تو جو شے فی نفسہ جائز تھی اس کے لئے اس رعایت نہ کرنے سے وہ جائز نہیں رہتی ہے ۔ یہی حال تصور شیخ اور دوسرے خاص مسائل کا ہے کہ خاص شروط کے ساتھ جائز ہیں ۔ اگر ان شروط کی رعایت نہ کی جائے گی تو ناجائز ہو جائیں گے ۔ اور یہ عدم جواز کا قاعدہ تو ان ہی کے ساتھ خاص ہوگا جو رعایت نہیں کرتے مگر چونکہ اکثر لوگ غلو بھی کرنے والے ہیں اس لئے علی العموم ممانعت کر دینا مناسب ہوتا ہے ۔

سماع

۷ - فرمایا ایک شیخ طریق نے مجھ سے کہا کہ آپ چشتی ہو کر سماع کے منکر ہیں آپ کیسے چشتی ہیں ۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ بتلایئے کہ روح طریقت کیا ہے ۔ فرمایا مجاہدہ یعنی نفس کی مخالفت ۔ پھر میں نے پوچھا کہ سماع کو آپ کا دل چاہتا ہے ۔ فرمایا جی ہاں ۔ میں نے کہا کہ میرا دل بھی سماع کا بہت مشتاق ہے مگر میں نہیں سنتا اور آپ سنتے ہیں ۔ اب فرمایئے مجاہدہ آپ کرتے ہیں یا ہم لوگ ۔ یہ سن کر فرمایا کہ آج سماع کی حقیقت معلوم ہوئی ۔ اور سماع چھوڑ دیا ۔ پھر مجھ سے درخواست کی کہ حضرت حاجی صاحب سے بیعت کرا دو چنانچہ بذریعہ خط بیعت ہو گئے یہ

بزرگ صاحب تصانیت بھی تھے۔ سماع کے متعلق سہل فیصلہ یہ ہے کہ یہ مقاصد اور ضروریات طریق سے نہیں اور اکثر لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے احتیاط ہی اسلم ہے۔

بالیقین کسی کو ولی اللہ کہنا جائز نہیں

۸- فرمایا کسی شخص کو ظناً تو جنتی یا دوخی کہہ سکتے ہیں مگر قطعاً نہیں کہہ سکتے حدیث شریف میں ہے لا یزکی علی اللہ احدا واحسبہ کذا واللہ حسیبہ او کما قال اسی طرح کسی شخص کو ظناً ولی اللہ کہنا اور سمجھنا جائز ہے ہاں یقین کرنا کہ فلاں شخص ولی اللہ ہے صحیح نہیں۔ کیونکہ ولایت کا حاصل ہے قرب باللہ۔ اور اس کے سوائے اللہ کے کون جان سکتا ہے۔ البتہ کسی شخص کو بالیقین شیخ کہنا اور سمجھنا جائز ہے کیونکہ طریق تربیت ایک فن ہے اور اس فن کے جاننے والے کو شیخ کہتے ہیں اور فن جاننے کا علم مشاہدہ سے ہوسکتا ہے۔ اسلئے فن دان کو بالیقین شیخ کہنے میں مضائقہ نہیں۔

نجدیوں کے متعلق فیصلہ

۹- فرمایا ایک مرتبہ مجھ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ نجدی مقلد ہیں یا غیر مقلد۔ میں نے کہا نہ یہاں کے مقلدوں کی طرح مقلد ہیں اور نہ یہاں کے غیر مقلدوں کی طرح غیر مقلد ہیں۔ بین بین حالت ہے۔

شیخ سے مکاتبت

۱۰- ایک صاحب کا خط آیا لکھا تھا کہ میں نے مکاتبت میں بہت تغافل سے کام لیا ہے مدت سے کوئی عریضہ روانہ نہیں کیا۔ اسی وجہ سے بہت مصائب میں مبتلا رہا۔ انشاء اللہ آئندہ اس سلسلہ مکاتبت کو برابر جاری رکھوں گا۔ اور گذشتہ کی معافی چاہتا ہوں۔ حضرت اقدس نے جواب میں تحریر فرمایا کہ کیا دفع مصائب کی غرض سے مکاتبت کا ارادہ ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر ان کا ایسا ارادہ ہوا تو پھر ان کو روک دوں گا۔ مقصود خط وکتابت سے صرف اصلاح نفس ہونا چاہئے۔

بدعت کا اثر دیر پا رہتا ہے

۱۱- فرمایا گنگوہ کے اکثر پیرزادے مولانا گنگوہیؒ کے بہت معتقد ہو گئے تھے۔ مگر مولانا ان کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ بدعتی کتنا ہی متقی ہو جائے اکثر اس کے دل سے بدعت نہیں نکلتی ہے کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہتا ہے اس لئے میں پیرزادوں کو سلسلہ میں داخل نہیں کرتا الا نادراً

سماع

۱۲- فرمایا حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں سماع کے متعلق فتویٰ میں تنگی تھی مگر دوسروں کے ساتھ معاملہ میں توسع تھا۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ ومجاز تھے اخیر عمر میں سماع کی عادت ہو گئی تھی مگر حضرت مولانا نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ معذور ہیں۔

بعد عصر شنبہ ۱۸ ستمبر ۲۸ء بر مکان جناب حاجی دلدار خان صاحب رئیس کانپور

تکلفات

۱۳- ایک صاحب مجلس میں ہاتھ باندھے ہوئے بیٹھے تھے حضرت اقدس نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اس خاص نشست میں کیا مصلحت ہے۔ ایسی باتوں سے دوسروں پر بار پڑتا ہے لوگ عقیدت ظاہر کرنے کیلئے اس قسم کی لغو باتیں کرتے ہیں۔ ان تکلفات نے ناس کر دیا ہے۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ کوئی ان باتوں پر روک ٹوک نہیں کرتا۔ کہیں ان پر دارو گیر نہیں ہوتی۔ آج کل تو اہل حق کی حالت بھی ابتر ہو رہی ہے۔ ایک شیخ کا واقعہ سنکر حیرت ہوئی کہ انکے کسی معتقد نے جوش عقیدت میں انکے پاؤں چوم لئے تو وہ حاضرین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں دیکھو اعتقاد محبت اس کو کہتے ہیں۔ بجائے ممانعت کے یہ فرمایا۔ ان تکلفات کو رواج دیا جاتا ہے۔ لوگوں میں اعتدال بالکل نہیں ہے۔ ہر چیز میں حدود سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اگر ادب کرتے ہیں تو اتنا کہ وہ تکلف ہو جاتا

ہے اور بے تکلفی کرتے ہیں تو اتنی کہ بے ادب بن جاتے ہیں۔ غرض یا افراط ہے یا تفریط اعتدال عنقا ہے حالانکہ ہر شے میں حدود و قیود کی رعایت ضروری ہے۔ تاکہ اعتدال قائم رہے۔

احتیاط

۱۴۱- فرمایا ہمیشہ سے میرا معمول ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ کو کھانے کے لئے مدعو کرتا ہے تو میں تنہا جاتا ہوں کسی کو ساتھ نہیں لے جاتا۔ سفر میں بھی ہمیشہ اسی قاعدہ پر کاربند رہا ہوں۔ اگر کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے کسی کو ساتھ لیا ہے یا کوئی اپنی خوشی سے میرے ہمراہ ہو گیا ہے تو اسکا بار بلانے والے پر کبھی نہیں ڈالا۔ اس کے طعام وغیرہ کا انتظام علیحدہ کیا گیا۔ اگر میزبان نے ہمراہی کے قیام وغیرہ پر اصرار بھی کیا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ بجائے مجھ سے کہنے کے ان سے خود براہ راست کہئے۔ مجھ کو واسطہ نہ بنایئے۔ اگر وہ مجھ سے اجازت مانگیں گے تو جو مصلحت ہوگی دیکھا جائے گا۔ اسی طرح ہمراہیوں کو اسکی ممانعت تھی کہ وہ بلا اجازت کسی کی دعوت قبول نہ کریں۔ جب میزبان ان سے مستقل طور پر درخواست کرتے تھے اور وہ مجھ سے اجازت مانگتے تھے تو مصالح پر نظر کر کے کسی کو اجازت مل جاتی تھی اور کسی کو نہیں۔ اس معمول میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ میں کسی کو اپنا طفیلی بنانا نہیں چاہتا۔ میزبان کی اجازت سے تو اس لئے کہ اس نے مہمان کی ذلت ہوتی ہے اور بلا اجازت اس لئے کہ اس سے دوسرے کو گرانی اور خود کو ذلت ہوتی ہے اور کسی کو گراں بار کرنا اور خود ذلیل ہونا دونوں باتیں ناجائز ہیں۔ لوگوں نے دعوت کے معاملہ میں بہت گڑبڑ کر رکھی ہے۔ ایک صاحب اچھے خاصے نیک و بزرگ آدمی تھے۔ ان کا دستور تھا کہ جب کوئی دعوت کرتا تو قبول فرما لیتے اور گھر سے جب روانہ ہوتے تو راستہ میں جو شناسا بھی ملتا تھا۔ اس سے بلا تکلف فرماتے تھے کہ بھائی دعوت ہے چلو۔ غرض دعوت ہوتی ایک کی اور جمع ہو جاتے دس بیس۔ میزبان اس ہجوم کو دیکھ کر بہت گھبراتا تھا۔ اور فوری انتظام یہ کرتا تھا کہ بازار سے پوری کچوری وغیرہ لا کر ان ناخواندہ مہمانوں کی مصیبت ٹالتا تھا۔ اس پر لطف یہ تھا کہ میزبان کی تو گرہ کھلتی تھی اور مرید و معتقد یہ اڑاتے تھے کہ پیر صاحب بڑی برکت والے ہیں کہ ایک آدمی کا کھانا دس بیس کو

کافی ہو گیا۔ تعجب ہے کہ ان بزرگ کی نظر اس امر پر نہ گئی کہ دعوت میں اپنے ہمراہ غیر مدعو کو بلا اجازت میزبان لے جانا حرام ہے نا جائز ہے۔ ان احتیاطوں کو لوگوں نے بالکل چھوڑ ہی دیا ہے۔

اپنا بوجھ خود اٹھانا

۱۵-فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اپنا کسی قسم کا بار دوسروں پر نہ ڈالتے تھے بلکہ خود بقدر استطاعت دوسروں کی اعانت فرماتے تھے۔ اپنے حواشی کی مثنوی کی اشاعت کے لئے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کو اپنی جیب سے ایک ہزار روپیہ نقد مرحمت کیا اور فرمایا کہ فی الحال اس سے کام شروع کرو۔ پھر انشاء اللہ اور انتظام ہو جائے گا نیز حصہ اول کی اشاعت کی رقم سے بھی کام چلنے کی امید ہے۔ اسکے چند روز بعد مولوی صاحب سے فرمایا کہ میں یہ رقم ہبہ کرتا ہوں۔ تا کہ حساب و واپسی کا جھگڑا ہی نہ رہے۔ اسی طرح حضرت نے رسالہ ''ارشاد مرشد'' میری معرفت چھپوانا چاہا اور فرمایا چھپائی کے دام میں دوں گا۔ عبدالرحمٰن خانصاحب مالک مطبع نظامی نے چھاپ کر پیش کیا اور کہا کہ میں لاگت نہیں لینا چاہتا۔ چونکہ مخلص اور معتقد تھے اس لئے میں نے بھی اصرار نہیں کیا بلکہ حضرت کو اطلاع کر دی اور بطور سفارش کے عرض کیا کہ وہ بہت سخی ہیں انکو گرانی نہ ہوگی۔ فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن خان صاحب بہت حریص اور بخیل ہیں کہ دین دنیا دونوں کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہے۔ کسی کو ثواب آخرت بھی نہیں کمانے دیتے۔ حضرت حاجی صاحب اگر کسی سے کوئی فرمائش کرتے تھے تو دام ضرور ادا فرماتے تھے وہ دوسرے پیروں کی طرح لینے والے پیر نہ تھے۔ بلکہ اوروں کے برخلاف دینے والے پیر تھے۔ ایک مرتبہ ایک دم چھ ہزار روپیہ حضرت کے پاس آیا آپ نے فوراً اس خطیر رقم کو ایک شریف حاجتمند کو یکمشت دے دیا۔ پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب حضرتؒ کی خدمت میں مختلف ہدایا لائے لیکن ایک دم پیش نہیں کئے۔ بلکہ روزانہ ایک ہدیہ پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت کو یہ تصنع اور ریاء کا اظہار ناگوار ہوا مگر لطف سے فرمایا کہ مولوی لوگ بڑے عقل مند ہوتے ہیں روزانہ ایک ہدیہ دیتے ہیں تا کہ ہر دن دعا ملے۔ مولوی صاحب اس لطیف اشارہ کو سمجھ گئے اور باقی اشیاء ایک ساتھ پیش کر دیں۔ قصہ

تیترون ضلع سہارنپور کی دو بڑھیاں جو حضرت کی معتقد تھیں مکہ معظمہ پہنچ گئیں واپسی کے وقت ان کے پاس کچھ نہیں رہا۔ حضرت کو معلوم ہوا تو دونوں کے لئے بمبئی تک کا جہاز کا خود انتظام فرمادیا اور بمبئی سے وطن تک کے لئے بمبئی کے ایک مخلص سیٹھ کے نام خط تحریر فرما دیا کہ ان دونوں عورتوں کو وطن تک پہنچانے کا انتظام کردیں۔ حضرت نے یہ خط مجھے دیا ہے کہ تم اسی جہاز سے جارہے ہو لہذا یہ خط فلاں سیٹھ صاحب کو پہنچا دینا۔ میں نے بمبئی پہنچ کر عام مسافر خانہ میں قیام کیا اور چند ساتھیوں کے ہمراہ ان سیٹھ صاحب کی دکان تک گیا مگر اس سے غیرت آئی کہ ان سے پہلے سے تو تعارف ہے نہیں اب یہ خط لے کر کیسے ملوں جس میں سوال ہے گو اپنے لئے نہیں مگر پھر میں اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی سے قریب کی ایک مسجد میں بیٹھ گیا اور ایک رفیق کی معرفت خط سیٹھ صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اور اس رفیق سے کہہ دیا کہ اگر خط دیکھ کر وہ ملاقات کا اشتیاق ظاہر کریں اور تمہارے ساتھ تعظیم وتکریم سے پیش آئیں اور دریافت کریں تو کہہ دینا کہ اشرف علی مسجد میں ہے۔ اور اگر وہ بے رخی سے ملیں تو میرا پتہ بھی نہ دینا۔ سیٹھ صاحب نے خط دیکھ کر سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ اور بہت محبت وتعظیم سے ان کے ساتھ پیش آئے اور اپنے لڑکے کو بھیج کر مجھ کو بلوایا۔ جب میں گیا بہت محبت سے پیش آئے اور فوراً ہی کہا کہ مجھے کچھ خلوت میں عرض کرنا ہے۔ میں انکے ساتھ علیحدہ ہو گیا۔ انہوں نے تمام امور خانہ داری کا کچا چٹھا بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا۔ مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے مجھ کو ایسی جلدی امین کیسے سمجھ لیا۔ کہ یہ صحیح رائے دے گا۔ حالانکہ پہلے کبھی آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ میرے دل نے گواہی دی۔ میں شام تک انہیں کے دکان پر رہا۔ پھر سواری پر مجھ کو لے کر مسافر خانہ میں آئے اور راستہ میں پھل وغیرہ خریدتے ہوئے آئے۔ میں نے عذر بھی کیا لیکن وہ مانے نہیں۔ پھر دوسرے دن سوار کرنے کے لئے بیچارے اسٹیشن پر بھی آئے میں نے ملتوی طور پر اپنے ٹکٹ کے دام بھی دئے۔ انہوں نے ان عورتوں کے ٹکٹ بھی خریدے اور بلا میری اطلاع میرا ٹکٹ بھی خرید لیا۔ اور عین گاڑی کی روانگی کے وقت دام واپس کئے۔ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ میرا ٹکٹ بھی انہوں ہی نے اپنے پاس سے خریدا ہے اور مجھ پر ظاہر نہیں کیا۔ بہت محبت اور خلوص کے آدمی تھے۔ خلوص ومحبت میں اظہار نہیں ہوتا ہے۔ صرف

محبوب کے نفع وراحت پر نظر ہوتی ہے خواہ محبوب کو خبر بھی نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بمبئی سے روانی کے وقت ایک عجیب واقعہ ہوا۔

مولوی صادق الیقین صاحب کرسوی بھی ہمراہ تھے۔ ان کے پاس سامان زائد تھا جس کا محصول بہت ہوتا تھا۔ ان کو طبعاً ناگوار ہوا کہ اتنا محصول دینا ہوگا میں نے کہا کہ صاحب یہ حق شرعی ہے اسکو خوشی سے ادا کیجئے۔ ناگواری کے ساتھ ادا کرنا مناسب نہیں۔ مولوی صاحب نے محصول ادا کر کے رسید لے لی مگر طبعی ناگواری ضرور ہوئی۔ اتفاقاً دو چار اسٹیشن کے بعد مولوی صاحب کا ٹکٹ گم ہوگیا بہت پریشان ہوئے۔ میں نے دریافت کیا کہ سامان کی بلٹی تو موجود ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ پھر پریشان ہونے کی کیا وجہ ہے۔ آپ کے ٹکٹ کے نمبر اس میں درج ہیں جو کافی ثبوت ہے ٹکٹ خریدنے کا یہ سن کر مولوی صاحب خوش ہوئے اور لکھنؤ تک اسی بلٹی کی بدولت نہایت اطمینان سے پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر خاص فضل فرماتا ہے چنانچہ مولوی صاحب کو واضح کرادیا کہ سامان کے محصول کے ادا کرنے سے ناگواری نہ ہونی چاہیے تھی۔ امور شرعیہ کی پابندی سے اخروی نجات کے ساتھ دنیوی نفع بھی ہوتا ہے۔

دین کی عزت

۱۶- وصّی صاحب نے ذکر کیا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ ریاست رامپور گئے۔ نواب صاحب نے بے حد تعظیم کی۔ پھر مولانا نے ریاست میں ملازمت کرلی۔ نواب صاحب نے دوسری ملاقات کے وقت اتنی تعظیم نہ کی۔ مولانا فوراً استعفاء دے کر چلے آئے اور پھر تمام عمر نہیں گئے۔ کہتے تھے کہ اگر ملازمت سے دین کی وقعت نہیں رہتی ہے تو بھوکا رہنا گوارا ہے۔ اور یہ بے وقعتی گوارا نہیں یہ سنکر حضرت اقدس نے فرمایا غیرت پسندیدہ اور مامور بہ دینی ہے کہ دین کی ذلت کو گوارہ نہ کیا جائے

مال کا نشہ

۱۷- فرمایا مال کا نشہ بھی برا ہوتا ہے۔ آدمی مال کی وجہ سے دوسروں کی تذلیل کرنے لگتا

ہے۔اور اپنے آپ کو تمام قواعد سے مستثنیٰ سمجھتا ہے کہ سب ہمارے غلام ہیں جو چاہیں کریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔ مالی گاؤں بمبئی کے قریب ایک جگہ ہے۔ وہاں کے ایک تاجر چرم جو مجھ سے بیعت تھے مع اپنے ایک رفیق کے تھانہ بھون آئے۔ میں نے پہچانا نہیں اس لئے دریافت کیا مگر بالکل خاموش رہے میں نے ان کے رفیق سے پوچھا انہوں نے کہا کہ یہ تو آپ کا نام سنکر اپنے حواس میں بھی نہیں رہتے۔ بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ گر پڑتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ اس وقت بیٹھے تو ہیں۔ بولتے تو کیا۔ خیر رفیق نے تعارف کرادیا۔ اس کے بعد ان تاجر صاحب نے دس روپے کا نوٹ پیش کیا۔ میں نے کہا کہ آپ سفر میں ہیں۔ یہاں دینا مصلحت نہیں ممکن ہے کہ آپ کو کوئی ضرورت پڑ جائے۔ ایسا ہی اصرار ہے تو مکان جا کر بشرط گنجائش بھیج دینا۔ انہوں نے زائد اصرار کیا تو میں نے یہ خیال کر کے قبول کرلیا کہ کہیں بے ہوش ہو کر نہ گر پڑیں جو پریشانی کا باعث ہو۔ ظہر کی نماز کے بعد انہوں نے ایک مسئلہ پوچھا میں نے بتا دیا اس پر آپ نے معارضہ کیا کہ فلاں کتاب میں تو اسکے خلاف لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر تم کتاب کے مسئلہ کو صحیح جانتے تھے۔ تو مجھ سے کیوں پوچھا اور اگر مجھ پر اعتماد ہے تو پھر معارضہ کیوں کیا۔ اسکے بعد میں نے غور کیا یا تو یہ بالکل ایسے خاموش تھے کہ منہ سے آواز بھی نہیں نکلتی تھی۔ بات کا جواب بھی نہیں دیتے تھے یا اب اس بیباکی سے گفتگو کرنے لگے اس کی کیا وجہ ہے۔ معاً خیال آیا کہ یہ سب دس روپیہ کی برکت ہے۔ تاجر صاحب نے خیال کیا کہ دس روپیہ دے کر مجھ کو خرید لیا اور تمام قواعد سے مستثنیٰ ہو گئے۔ میں نے وہ نوٹ نکال کر واپس کیا اور کہا کہ اب خوب جی کھول کر مسائل پوچھئے اور اعتراضات کیجئے مجھے کچھ گرانی نہ ہوگی۔ اس کے بعد حسب سابق وہ پھر گم ہو گئے اور ایک مسئلہ بھی نہ پوچھا وہ سارا زور نذرانہ کی وجہ سے تھا۔ روپیہ کو لوگ خدا جانے کیا خیال کرتے ہیں۔

ایک اور واقعہ یاد آیا کہ۔ کرسی ضلع بارہ بنکی کے قریب ایک موضع ہے انواری وہاں کے ایک صاحب میرے مرید تھے۔ اتفاقاً میرا کرسی جانا ہوا اور لوگ ملے مگر وہ ملنے نہیں آئے۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہارے پیر آئے ہیں تم ملنے نہیں گئے۔ شاید انکو خیال ہو (حالانکہ یہ گمان بالکل غلط تھا)

جواب میں ارشاد ہوا کہ جہاں دو روپے پیش کئے سب ناراضی کافور ہو جائے گی۔ خیر جب میں کرسی سے لکھنؤ کو واپس ہونے لگا تو وہ گاؤں راستہ پر ہے وہاں سڑک پر ملے اور انہوں نے مجمع کے سامنے دو روپے پیش کئے۔ چونکہ یہ بزرگ وہاں کے زمیندار اور رئیس تھے۔ اس لئے میں نے خاموشی سے لے لئے تا کہ انکار سے ان کی سبکی نہ ہو۔ مگر جب رخصت ہو گئے میں نے وہ دونوں روپے لکھنؤ پہنچ کر مولوی صادق الیقین صاحب کو دیدئے کہ انہیں تنہائی میں پہنچا دیجئے گا۔ تا کہ انکی عزت محفوظ رہے اور میری طرف سے کہہ دیجئے گا کہ جو شخص دو روپیہ لے کر خوش ہو جاتا ہو اس کو دیدینا یہ نشہ ہے روپیہ کا۔

سفارش

۱۸- فرمایا سفارشی مریدین بہت گڑبڑ کرتے ہیں۔ اکثر بدسلیقہ ہوتے ہیں۔ میں پہلے اکابر اور مخلص احباب کی سفارش سے بعض لوگوں کو بیعت کر لیا کرتا تھا۔ اور اس وقت بہت با اخلاق مشہور تھا۔ لیکن میں نے تلخ تجربات سے مجبور ہو کر سفارشی بیعت کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اب بد اخلاق مشہور ہو گیا واقعہ یہی ہے کہ سفارشی مرید اکثر مہمل ثابت ہوتا ہے۔ اگر مہمل نہ ہوتا تو کسی کو سفارشی نہ لاتا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ نیاز مندی سے عار ہے دوسروں کے ذریعہ سے زور ڈال کر کام نکالنا چاہتا ہے۔ دوستوں کو بھی چاہئے کہ اس قسم کے معاملات میں سفارش نہ کیا کریں۔ سفارش سے وہ مقصود فوت ہو جاتا ہے جس کے لئے بیعت کی جاتی ہے۔

دعوت میں مذاق کی رعایت

۱۹- دعوت و طعام کے تذکرہ پر فرمایا کہ ہر جگہ کا مذاق مختلف ہے۔ گوشت ہی کو لے لیجئے۔ کہیں تقریباً خام کہیں نیم پختت۔ کہیں بالکل گلا کر اور کہیں بھون کر کھاتے ہیں۔ دعوت کرنے والے کو چاہئے کہ جس کی دعوت کرے اس کے مذاق کی رعایت کرے جسکا سہل طریق یہ ہے کہ اسی سے پوچھ لیا جائے۔ اس کو اپنے مذاق کے تابع نہ بنائے۔ اسکے متعلق شیخ اصغر علی صاحب تاجر عطر لکھنؤ جو بڑے مدبر و دانشمند تھے خوب تفصیل فرمائی تھی کہ دعوت کی تین قسمیں ہیں۔ اعلیٰ، اوسط

، ادنیٰ ۔ اعلیٰ تو یہ ہے کہ نقد دام دے جائیں کہ جب چاہے کھاؤ اور جو چاہے کھاؤ یا اور کہیں ضرورت میں صرف کرلو۔ اور اوسط یہ ہے کہ جنس دیدی جائے کہ جب چاہے کھاؤ اور جس طرح چاہے استعمال کرو۔ اور ادنیٰ یہ ہے کہ پکا کر کھلایا جائے ۔ جس میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ وقت سے بے وقت ہو جاتا ہے ۔ خلاف معمول کھانا پڑتا ہے ۔ مفید و مضر چیزوں کا اہتمام نہیں ہوتا ۔ پھر طرہ یہ کہ لینے تو جائے گی سواری اور واپسی پر سیدھا راستہ بتا دیا جائے گا ۔ اسی سلسلہ میں فرمایا ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ نے میری دعوت کی تھی ۔ میں فرش پر بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا اور حضرت چارپائی پر تشریف فرما تھے ۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو ایک بزرگ نے وصیت کی تھی کہ کسی کی دعوت نہ کرنا ۔ یہ سن کر مجھ کو وسوسہ ہوا کہ پھر میری دعوت حضرت نے کیوں کی ۔ حضرتؒ نے فوراً فرمایا کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ تمہاری دعوت ہے تمہارا تو یہ گھر ہے ۔ جس طرح گھر کھایا اسی طرح یہاں ۔ دعوت وہ ہے کہ جس میں تکلفات ہوں ۔ وقت سے بے وقت ہو ۔ خلاف معمول ہو ۔ یہاں کچھ بھی نہیں ۔

نواب صاحب ڈھاکہ کی سلیم الطبعی

۲۰ - فرمایا ایک مرتبہ نواب صاحب ڈھاکہ نے کہا کہ میں تھانہ بھون حاضر ہونا چاہتا ہوں ۔ میں نے کہہ دیا کہ دو باتوں کے لئے تیار ہو کر آیئے ایک یہ کہ مکان آپ کی شان کے لائق نہ ہوگا دوسرے کھانا آپ کی شان کے لائق نہ ہوگا اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں تو سبز ترکاریاں کھانے اور جنگل میں درختوں کے نیچے زندگی بسر کرنے والا ہوں ۔ ایک زمانہ میں نواب صاحب کی اپنے والد صاحب سے کچھ چشمک ہوگئی تھی ۔ جس کی وجہ سے کچھ دنوں سخت مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا تھا ۔ اس جواب میں انہیں مصائب کی جانب اشارہ تھا ۔ اس کے بعد نواب صاحب دہلی کے دربار میں شامل ہوئے ۔ فرصت کے وقت تھانہ بھون آنے کا گمان غالب تھا ۔ مگر اتفاقاً کمر میں پھوڑا نکل آیا جس کی وجہ سے تھانہ بھون نہ آسکے ۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ کسی صاحب کے یہاں مہمان ہوئے ۔ انہوں نے کئی قسم کے کھانے ایک وقت میں تیار کرائے ان بزرگ نے فرمایا

کہ کھانا تو بہت اچھا تھا لیکن آپ کو کھلانا نہیں آیا۔ آپ کو چاہئے تھا کہ ایک ایک وقت ایک ایک کھانا کھلاتے تاکہ میں زیادہ قیام کرتا۔ اب میں جلد ہی جاؤں گا کیونکہ ان تکلفات سے گرانی ہوتی ہے۔

جونپور کی ایک دعوت کا ذکر

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جونپور میں مولوی ابوبکر صاحب نے میری دعوت کی اور دریافت کیا کہ جو کھانا مرغوب ہو بتا دیجئے تاکہ وہی پکوایا جائے۔ یہ بات سب سے پہلے میں نے انہیں سے سنی میرا جی بہت خوش ہوا۔ ماشاءاللہ بہت سلیم الطبع شخص ہیں۔ میں نے کہا کہ گوشت خواہ بکری کا ہو خواہ گائے کا اسمیں لوکی ڈالوا دیجئے۔ روٹی سادی بغیر گھی کے ہونی چاہئے۔ پھر پوچھا کہ سالن میں گھی کیسا ہو۔ میں نے کہا کہ تھوڑا۔ میں زیادہ گھی نہیں کھاتا ہوں۔ پھر کہا کہ مرچ کیسی ہو۔ میں نے کہا کہ کسی قدر تیز ہو۔ انہوں نے فرمائش کے مطابق کھانا کھلایا اگر صرف ایک کھانا پکایا جائے تو عمدہ بھی پکتا ہے اور بےفکری سے کھایا جاتا ہے۔ اور زیادہ قسم کے کھانوں کے تیاری میں بعض اوقات سب کے سب خراب ہوجاتے ہیں۔ اسکی مثال اس واقعہ سے سمجھئے کہ ایک آدمی ہردلعزیز تھا۔ ہر شخص کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔ ایک مرتبہ دریا پر پہنچا دیکھا کہ دریا کے دونوں کناروں پر دو معذور شخص بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ ایک اس طرف آنا چاہتا تھا۔ دوسرا اس طرف آجانا چاہتا تھا۔ یہ شخص قریب والے کو کندھے پر بٹھا کر دریا میں اتر گیا بیچ میں پہنچ کر خیال آیا کہ یہ تو آدھی دور آ گیا اب دوسرے کا حق ہے۔ آپ اس بیچارے کو بیچ میں چھوڑ دوسرے کو لانے جب وہ بیچ تک پہنچا دیکھا کہ وہ پہلا ڈوب رہا ہے۔ آپ دوسرے کو چھوڑ اس کو بچانے آئے مگر وہ پہنچے سے پہلے ہی ڈوب چکا تھا۔ اب دوسرے کو دیکھا کہ وہ ڈوب رہا ہے اس کے بچانے کو چلے وہ بھی ڈوب چکا تھا اس بزرگ نے دونوں کو ڈبو بھی دیا اور پریشانی مفت میں اٹھائی۔ اسی طرح زیادہ ہانڈیاں پکانے والوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ ایک کی اصلاح میں لگے دوسری بگڑ گئی۔ پھر دوسری کی طرف توجہ کی پہلی بگڑ گئی اور خود کھانے والے کو جو کثرت الوان اطعمہ سے حیرت ہوتی ہے

وہ اس کے علاوہ موجز میں تصریح ہے کثرۃ الالوان محیر للطبیعۃ آہ

ذکر و عمل کی ضرورت ہے

۲۱- فرمایا حضرت حاجی صاحبؒ ذکر و عمل کے عاشق تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بس کام کرو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

مریض کو چاہئے کہ اپنے آپ کو طبیب کے حوالے کر دے

۲۲- فرمایا مریض کو چاہئے کہ اپنے آپ کو بالکل طبیب کے سپرد کر دے اور طبیب کو چاہئے کہ بے جا رعایت نہ کرے ورنہ نفع نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر مصلح مریض باطن کی بے جا رعایت کرے اور مناسب روک ٹوک نہ کرے تو فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ایسے طبیب مصلح خائن کہلائیں گے۔

شیخ پر اعتراض نہ کرے

۲۳- فرمایا مشائخ کا قول ہے کہ اگر شیخ کی کوئی تعلیم سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھے کہ میری سمجھ کی کوتاہی ہے اور اس پر عمل شروع کر دے۔ شیخ پر اعتراضات نہ کرے ورنہ نفع نہیں ہو سکتا۔ جیسے طبیب نسخہ لکھے تو گو اسکی علت سمجھ میں نہ آئے مگر اس پر عمل کرنا چاہئے۔ اگر طبیب پر نکتہ چینی کرے گا تو اس سے نفع نہ ہوگا۔ پہلے نسخہ کو استعمال کرے پھر دیکھے کیا ہوتا ہے۔ بس یہی حال تعلیم شیخ کا ہے۔ عمل کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر نفع ہوا۔ البتہ اگر دلیل شرعی سے وہ معصیت ہو تو ادب کے ساتھ عذر کر دے۔

غیر ضروری سوالات

۲۴- فرمایا غیر ضروری سوالات کے جوابات کا قصد نہ کرنا چاہئے۔ آج کل اکثر اہل علم ہر سوال کے جواب کا قصد کرتے ہیں خواہ سوال معقول ہو یا نہ معقول۔ اسی وجہ سے بہت گڑ بڑ ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ مولانا محمد نعیم صاحب سے کسی شخص نے عرض کیا کہ فلاں شخص حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے واقعہ کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ مولانا نے فرمایا تم کیا کام کرتے

ہو۔اس نے کہارنگریزی، پھر فرمایا اور وہ کیا کرتا ہے۔ بتایا جفت فروشی فرمایا بھائی تم رنگریزی میں لگے رہو اور وہ جوتے بیچتا رہے تم سے قیامت میں یہ سوال نہ ہوگا کہ اس واقعہ کی حقیقت کیا تھی۔

معمولات مستقبلہ کے متعلق سوال

۲۵- حضرت اقدس کا ارادہ لکھنؤ سے دو تین یوم کے لئے کانپور تشریف لے جانے کا تھا۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ کانپور میں ملاقات کا کیا معمول ہوگا۔ فرمایا آپ کو کسی کے معمولات مستقبلہ کے دریافت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جواب دینے سے وعدہ ہو جاتا ہے اور آدمی مقید ہو جاتا ہے۔ ابھی تو میں کانپور پہنچا بھی نہیں۔ معمول ضرورت وقت کے تابع ہوتا ہے۔ لکھنؤ بیٹھے بیٹھے کیسے معمول بن سکتا ہے خود لکھنؤ میں حالات بدلنے کی وجہ سے کئی معمول بدل چکے ہیں۔

سوال عن الحکمۃ

۲۶- فرمایا ایک صاحب نے مجھ سے بذریعہ خط کسی حکم شرعی کی مصلحت پوچھی کہ اس میں کیا حکمت ہے میں نے لکھا کہ آپ کے اس سوال عن الحکمۃ میں کیا حکمت ہے۔ اس کا جواب کچھ نہیں آیا۔ حکم شرعی کی حکمت خواہ معلوم ہو یا نہ ہو مگر اس سوال کی حکمت تو ان کے ذہن میں ضرور ہوگی۔ کیونکہ سوال ان کا فعل اختیاری ہے اور ہر فعل اختیاری کا صدور مسبوق ہوتا ہے۔ تصور غایت کے ساتھ۔ لیکن پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

نسب کا اثر

۲۷- فرمایا بزرگوں کی اولاد میں بھی اکثر کچھ نہ کچھ بزرگی کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ خواہ وہ بزرگ نسل قریب میں ہوں یا بعید میں۔ اسی طرح نسب معنوی میں بھی۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ صحیح سلسلہ میں بیعت ہونا چاہئے۔ گو شیخ قریب کمالات باطنی میں کامل نہ ہو۔ پھر بھی سلسلہ کی برکت ضرور ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سلسلہ میں کوئی بابرکت شیخ گزرا ہو خواہ کتنا ہی بعید ہو۔ البتہ شیخ قریب کا پابند شرع ہونا ضروری ہے۔

عورتیں واجب الرحم ہیں

۲۸-فرمایا میں نے اس سفر میں بیعت کرنے سے اکثر انکار کردیا ہے مگر عورتیں بشرط اذن شوہر اس سے مستثنیٰ ہیں وہ واجب الرحم ہیں۔ مجھے ان پر بہت رحم آتا ہے۔ باقی تعلیم کے لئے سفر میں بھی خط بھیجنے کی اجازت ہے۔

امراء زیادہ محتاج رعایت ہیں

۲۹-فرمایا مجھے مسلمان کے ایک ایک پیسہ کا خیال رہتا ہے کہ بیجا صرف نہ ہو اور میں اس سلسلہ میں بہ نسبت غرباء کے امراء کی زیادہ رعایت کرتا ہوں۔ کیونکہ امراء بظاہر تو ٹھاٹھ سے رہتے ہیں لیکن حال یہ ہوتا ہے کہ اکثر خرچ ان کی آمدنی سے زائد ہوتا ہے۔ دوسروں کے مقروض ہوتے ہیں۔ اور غریب بیچارے عموماً حسب حیثیت خرچ کرتے ہیں بلکہ آمدنی سے کم ہی خرچ کرتے ہیں اس لئے بھی میں ہدیہ میں امراء کے لئے زیادہ قیدیں لگاتا ہوں۔ غرباء کے لئے اتنی قیود کی ضرورت نہیں۔ البتہ اصول کی رعایت غرباء وامراء دونوں کے لئے لازمی ہے۔ میں خلاف اصول ہدیہ کسی سے قبول نہیں کرتا۔

پہلے دنیادار بھی دیندار ہوتے تھے

۳۰- فرمایا میرٹھ میں سلامت علی نامی ایک بہت متقی طبیب تھے۔ نبض دیکھنے کے وقت سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم پڑھا کرتے تھے اور نسخہ لکھ کر آیات شفاء اس پر دم کیا کرتے تھے۔ اس سے بہت نفع ہوتا تھا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مولوی سید محمد صاحب مچھلی شہری سب جج جب اجلاس پر بیٹھتے تھے۔ وہ بھی سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم پڑھا کرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ قلم سے حق ہی نکلے۔ متقی اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ ایک مرتبہ مسجد میں حسب عادت نماز پڑھنے گئے۔ ایک شخص نے قصداً ان کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور پھر اتنے زور سے دعا مانگی کہ یہ بھی سن لیں۔ کہنے لگا اے اللہ تو جانتا ہے کہ فلاں مقدمہ میں میں حق پر ہوں تو میرے مطابق فیصلہ کرا

دے۔ سب جج صاحب گھبرائے کہ اب کیا فیصلہ کروں۔ کاغذ کچھ اور بتاتے ہیں یہ شخص کچھ اور کہتا ہے اور پھر قسم کے ساتھ۔ کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ ایسی باتوں سے میری جماعت چھڑوائیں گے اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا پہلے دنیادار بھی ایسے دیندار ہوتے تھے کہ آج کل کے مشائخ وعلماء وہاں تک بمشکل پہنچتے ہیں۔ پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا سلامت اللہ صاحب کانپوری نے وعظ فرمایا اس جلسہ میں ایک سب جج صاحب بھی جو مولوی تھے موجود تھے۔ کسی نے مولانا سے مسئلہ پوچھا۔ مولانا نے جواب دیا۔ اس نے جواب سن کر کہا کہ فلاں سب جج صاحب تو یہ کہتے ہیں (ان ہی کا نام لیا) فرمایا کہ وہ گوہ کھاتے ہیں۔ سب جج صاحب فوراً اسی مجلس میں دست بستہ ہو کر کہنے لگے واقعی میں گنہگار ہوں۔ سود کی ڈگریاں دیتا ہوں۔ مجھ کو مسئلہ بتانے کا حق نہیں۔ انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ ہوگا جو کچھ ان سب جج نے کیا آج کل بڑے بڑے علماء سے نہیں ہوسکتا الا ماشاء اللہ۔

یکشنبہ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۸ء

ہدیہ کا حق

۱۳۱-فرمایا ہدیہ کا حق یہ ہے کہ جس کو ہدیہ دیا جارہا ہے اس پر کوئی بار نہ پڑے۔ ایک صاحب نے مجھ کو ریل سے امرود بھیجے اس میں میرے آٹھ آنہ خرچ ہوئے۔ میں نے لکھ بھیجا کہ میرے آٹھ آنہ خرچ ہوئے بھیج دیجئے کیونکہ ہدیہ میں مؤنت نہیں ہوتی ہے انہوں نے بھیج دئے۔

توجہ کو ہٹا دینا ہی علاج ہے

۱۳۲-فرمایا عموماً ہچکیوں کے دفع کرنے کی یہ آسان ترکیب بہت کارآمد سمجھی جاتی ہے کہ مریض کے خیال کو کسی دوسری طرف متوجہ کردیا جائے اور کسی فکر میں مشغول کردیا جائے۔ اس ترکیب سے ہچکی فوراً بند ہو جاتی ہے۔ ایک طبیب کے پاس ایک شخص آیا کہ فلاں شخص ہچکیوں کا علاج کرتے کرتے تھک گیا ہے مگر ہچکیاں بند نہیں ہوتیں۔ انہوں نے اس کو دیکھ کر اسی اصل مذکور

کے تحت میں کہا کہ بھائی اب یہ مریض بچے گا نہیں نسخہ وغیرہ لکھ کر کیا کروں۔ کسی نے ان کی یہ رائے مریض تک پہنچادی فکر میں پڑ گیا اور فوراً ہچکی بند ہوگئی۔ طبیب کو اسکی اطلاع ہوئی انہوں نے کہا کہ اب اطمینان رکھو اچھا ہوگیا۔ مریض کو اس کی بھی اطلاع ہوئی اور فوراً ہچکیوں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ طبیب کو دوبارہ اطلاع دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے مریض کی خاطر سے ایسا کہہ دیا تھا ورنہ حقیقۃً اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ مریض کو پھر خبر ہوئی اور موت کا یقین آ گیا اور اسکے ساتھ ہی ہچکیاں بند ہوگئیں۔ پھر طبیب نے امید کی بات نہیں کہی۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ مریض سے کہتے ہیں کہ سوچو تم کو کون یاد کرتا ہے تو حقیقۃً یہ بھی اسی علاج (تبدیل خیال) کا ایک جز ہے۔ ان باتوں سے آدمی دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے ورنہ یاد واد کوئی بھی نہیں کرتا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا اسی طرح مسمریزم میں بھی صرف عامل کی توجہ اور خیال کی قوت سے چیزیں چلنے پھرنے اور اچھلنے کودنے لگتی ہیں۔ ناواقف آدمی یہ خیال کرتے ہیں کہ روحیں آتی ہیں اور یہ روحانی تصرفات ہیں۔ روح وغیرہ کوئی نہیں آتی جاتی۔ صرف عامل کی قوت خیال مؤثر ہوتی ہے۔ یہی راز ہے کہ مسمریزم کے عامل کے خیال کو اگر منتشر کر دیا جائے پھر سب تصرفات باطل ہو جاتے ہیں۔ اصطلاحات مقررہ سے جواب حاصل کرتے ہیں ورنہ ارواح کو اس انتشار سے کیا اثر ہوتا۔

دوشنبہ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۸ء

توجہات و مشق

۴۳۔ فرمایا بعض لوگ فخریہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارے ہر موئے تن سے اللہ اللہ نکلتا ہے حالانکہ یہ کوئی کمال باطنی یا مقبولیت کی علامت نہیں۔ اس قسم کی باتیں صرف مشق پر موقوف ہیں۔ ایسے ہی حبس دم کی مشق سے تصرفات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے تصرفات کے لئے اسلام بھی شرط نہیں۔ چنانچہ جیپال جوگی وغیرہ کے واقعات مشہور ہیں۔

بعد عصر سہ شنبہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۸ء مسجد خواص لکھنؤ

تعلیم وتہذیب

۴۴- کانپور سے لکھنؤ واپس تشرف لانے کے بعد فرمایا۔ کانپور میں عورتوں کی کثرت کی وجہ سے بہت پریشانی رہی۔ عورتوں نے ایک ستم یہ کیا کہ جہاں میں بیٹھتا وہاں آ کر حلقہ بنا کر کھڑی ہو جاتیں۔ میں بیٹھے بیٹھے گردن جھکائے ہوئے ہر چند منع کرتا لیکن کوئی نہیں مانتا۔ مجبور ہو کر میں نے بڑے گھر میں سے بلایا کہ ان کو ہٹاؤ مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ میں اسکا عادی نہیں۔ خیر ان کی کوشش سے اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو دور کیا۔ پھر کچھ عورتوں کے خواص بیان ہونے لگے۔ فرمایا کہ غیر تعلیم یافتہ عورتیں گو عرفی تہذیب سے عاری ہوتی ہیں لیکن آج کل کی تعلیم یافتہ عورتوں سے ہزار درجے بہتر ہیں۔ بعضی تعلیم یافتہ عورتیں اپنے شوہر سے بھی نفاق برتتی ہیں ان کی تہذیب صرف دکھاوے کی ہوتی ہے۔ اور غیر تعلیم یافتہ اپنے شوہروں پر دل و جان سے فدا ہوتی ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ اکثر جو عورت جس قدر پھوہڑ اور بدسلیقہ ہوگی اسی قدر عفیف و باعصمت ہوگی اور شریر عورتیں اکثر عرفی طور پر مہذب و تعلیم یافتہ ہوتی ہیں مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ تہذیب اور عفت جمع نہیں ہوتیں۔

بیویوں کی بدمزاجی

۴۵- فرمایا بعض بزرگوں کی بیویاں بہت بدمزاج ہوئی ہیں۔ مگر وہ ان کی بدمزاجی پر صبر فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ جو انتہا درجہ کے نازک مزاج اور لطیف الطبع مشہور ہیں۔ ان کی بیوی اسی درجہ کی تندخو و بدمزاج تھیں۔ حضرت مرزا صاحب کا معمول تھا کہ روزانہ صبح کو ایک خادم کو مکان پر بھیجا کرتے تھے کہ خیریت معلوم کر آؤ اور ضروریات پوچھتے آؤ تاکہ انتظام کر دیا جائے مگر بیوی صاحبہ آڑے ہاتھوں سب کی خبر لیتیں۔ مگر مرزا صاحب حسب عادت صبر فرماتے۔ اتفاقاً ایک روز کسی ولایتی کو اس خدمت مامور فرما دیا۔ اس نے جب یہ باتیں

سئیں تو آگ بگولا ہو گیا لیکن پیر کے ادب سے خاموش رہا اور جلتا بھنتا مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔ مرزا صاحب نے پوچھا تو کہنے لگے کہ حضرت بیوی صاحبہ نے آپ کی شان میں جو گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں جی چاہتا تھا کہ ان کو قتل کر دوں مگر اس خیال سے کہ حضرت سے نسبت ہے اور حضرت ہی کی بیوی ہیں میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا یہ میری بڑی محسنہ ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر کمال سے عاری تھا۔ مجھ کو جو کچھ دولت ملی ہے انہیں کا صدقہ ہے۔ میں نے ان کی بدعنوانیوں بدمزاجیوں اور تکلیفوں پر صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اسکے صلہ میں گوناگوں نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔ مرزا صاحب کے انتقال کا جب وقت قریب آیا تو ان کی بیوی سے فرمایا کہ تم قاضی ثناء اللہ صاحب کے یہاں پانی پت چلی جانا۔ تمہارا نباہ بجز قاضی صاحب کے اور کہیں نہیں ہو سکے گا۔ قاضی صاحب مرزا صاحب کے خلیفہ اعظم تھے۔ چنانچہ انتقال کے بعد وہ پانی پت چلی آئی تھیں میں جب پانی پت گیا تو وہاں کے ایک رئیس کی والدہ نے جو قاضی صاحب کی اولاد میں تھیں مجھ کو کچھ پوچھنے پاچھنے کو بلایا تھا۔ مکان میں ایک کوٹھری کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ مرزا صاحب کی بیوی دہلی سے آ کر اس میں رہا کرتی تھیں۔ بچیوں کو کلام اللہ اور مسائل ضروریہ کی حسبۃ اللہ تعلیم دیا کرتی تھیں۔ بڑی عبادت گزار تھیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ بہت نیک اور عابدہ تھیں۔ باقی بدمزاجی ایک دوسری چیز ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک لکھنوی بزرگ کی بیوی بھی بہت بدخو اور تیز مزاج تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے بیوی سے کہا کہ تم بہت بدقسمت ہو کہ مجھ سے کچھ نفع حاصل نہیں کرتیں۔ حالانکہ ایک بڑی مخلوق اللہ کے فضل سے نفع اٹھا رہی ہے۔ بیوی نے جواب دیا میں کیوں بدقسمت ہوتی بدقسمت تم ہو کہ تم کو مجھ جیسی بیوی ملی میں تو بہت خوش قسمت ہوں کہ تم جیسا شوہر ملا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معتقد تو یہ بھی تھیں مگر نری اعتقاد سے۔ جب باہم بے تکلفی ہو مزاج نہیں بدلا کرتا ان واقعات کے بعد حضرت اقدس سے ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ اس قسم کی بدمزاجی سے حبط اعمال تو نہیں ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ایسی چیزیں جن سے اعمال خیر حبط ہو جاتے ہیں صرف کفر و شرک ہیں اور کسی معصیت سے ایسا نہیں ہوتا۔ بدمزاجی تو معمولی شے ہے۔ بعض

بدمزاجیاں تو معصیت بھی نہیں ہوتیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ معاصی سے اعمال کی نورانیت میں کمی آ جاتی ہے۔ البتہ بدمزاج کو چاہئے کہ جن لوگوں سے اس نے بدمزاجی کی ہے معافی بھی مانگتا رہے۔ اور استغفار بھی کرتا رہے تا کہ تلافی مافات ہوتی رہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایک صورت میں تو استغفار وطلب معافی بھی بہت ہی کثرت کے ساتھ اس کے ذمہ جمع ہو جایا کرے گی۔ کیونکہ یہ تو بظاہر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جب بدمزاجی ہو فوراً اسکے تدارک کے لئے معافی بھی مانگ لی جائے اور توبہ بھی کر لی جائے۔ فرمایا اگر علاج مقصود ہے تو کچھ بھی دشوار نہیں اگر کسی کو یومیہ بخار آتا ہو تو اسکی دوا بھی یومیہ ہی پینا ہوگی۔ بلکہ بعض مرتبہ دن میں کئی کئی مرتبہ کڑوی کڑوی دوا پینا پڑے گی۔ جیسا مرض ہوتا ہے ویسا ہی اسکا علاج ہوتا ہے۔ جب بدمزاجی بار بار ہوگی تو اسکا علاج بھی ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔

قلت فکر

۳۰۶۔ فرمایا اکثر غلطیوں کا منشا قلت فکر ہے۔ اگر تفکر وتدبر سے کام لیا جائے تو غلطیاں بہت کم ہو جاتی ہیں۔ اگر شاذ و نادر کوئی غلطی سرزد بھی ہوتی ہے تو اس کا اثر بہت خفیف ہوتا ہے۔ اسی واسطے میں انسان کی تعریف میں بجائے حیوان ناطق کے حیوان متفکر کہا کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے انسان کی تعریف حیوان ناطق کرنے میں کلام ہے اس لئے کہ ناطق کے حاصل معنی ہیں عاقل تو اس تعریف کا حاصل یہ ہوا کہ عاقل صرف انسان ہی ہے۔ دوسرے حیوان میں عقل نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ مشاہدہ کے خلاف ہے دوسرے حیوانات میں بھی عقل ہوتی ہے اگر دوسرے حیوانات میں عقل نہ ہوتی تو ان کو تعلیم کیسے دی جا سکتی تھی۔ اشاروں پر کیسے چل سکتے تھے۔ اور یہ بدیہی امر ہے کہ تعلیم بلا عقل کے نہیں ہو سکتی ہے دیکھئے پاگل کو کوئی تعلیم نہیں دے سکتا نہ ایسا سدھا سکتا ہے۔ جیسا کہ جانوروں کو سدھا جاتا ہے۔ میں نے خود ایسے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں میں بھی عقل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ میں جامع مسجد کو جا رہا تھا اور میرے آگے آگے ایک کتا بھی جا رہا تھا۔ راستہ میں اس نے منہ پھیر کر میری جانب دیکھا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ کئی بار

ایسا ہی کیا پلٹ پلٹ کر مجھ کو دیکھتا تھا اور پھر حسب دستور چلنا شروع کر دیتا تھا اتفاقاً اس کو راستہ میں ایک کھلا ہوا مکان مل گیا اس میں داخل ہو گیا اور جب میں اس مکان سے آگے نکل آیا تو وہ مکان سے نکل کر اس طرف واپس ہو گیا جس طرف سے میں آیا تھا۔ دیکھئے یہ کتا واپس ہونا چاہتا تھا مگر اس خوف سے کہ کہیں یہ مارے پیٹے نہیں وہ پلٹ نہ سکا حتی کہ ایک مکان میں پناہ لے کر اس نے اپنے لئے راستہ صاف کیا یہ انتظام بلا عقل کے نہیں ہو سکتا ہے۔ فقط حواس ایسے انتظام کے لئے کافی نہیں۔ بندر کے افعال تو اس سے بدر جہا زائد حیرت انگیز و عجیب ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں ایک طوطا پلا ہوا تھا۔ میں نے اس کو چھوڑ دینا چاہا مگر معلوم ہوا کہ جنگلی طوطے اس قسم کے پالتو طوطوں کو اپنے میں شامل نہیں کرتے بلکہ مار ڈالتے ہیں اسلئے اسکے پر کاٹ کر یونہی کھلا ہوا چھوڑ دیا جاتا تھا اور وہ آزادی سے ہوا کھاتا پھرتا تھا۔ ایک دن گھر میں اس کے سامنے کسی نے پان بنا کر کھایا اور اس پان میں تمباکو بھی ڈالا تھا۔ طوطے صاحب بھی موقع پا کر پاندان پر جا دھمکے۔ پاندان کھلا رہ گیا تھا چونچ سے پان کترا چونچ میں کتھا چونہ لیا چھالیہ لی اور کھا گئے۔ مگر تمباکو کو چھوا بھی نہیں۔ اس نے تمباکو کی بو سے معلوم کر لیا کہ یہ کوئی اچھی شے نہ ہو گی اس لئے اس کو نہیں کھایا۔ ظاہر ہے یہ امتیاز بلا عقل کے نہیں ہو سکتا ہے۔ ایک بلی (بلی کا واقعہ بعد میں بڑھایا گیا ہے ۱۲) ہمارے گھر پلی تھی ایک بار اسکے سامنے دودھ رکھ دیا گیا جس میں بھاپ اٹھ رہی تھی اس بلی نے اول منہ نہیں ڈالا بلکہ اس میں پنجہ ڈال کر دیکھا جب پینے کے قابل ہو گیا تب پیا۔ جانوروں کے اس قسم کے ہزاروں واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کا کچھ نہ کچھ حصہ ان کو بھی عطا فرمایا ہے۔ آج کل تو بعض جانوروں کو حساب تک سکھایا جاتا ہے (۱۲ جامع) چونکہ یہ مسئلہ تعریف کا انسان سمعی نہیں محض عقلی ہے اس لئے اگر کوئی شخص حکمائے یونان کے قول کے خلاف تحقیق و مشاہدہ سمجھ کر چھوڑ دے تو کچھ حرج نہیں لیکن اشکال یہ ہوگا کہ حکمائے اسلام نے بھی تو ایسا ہی لکھا ہے کہ عقل صرف انسان میں ہے دوسرے حیوانات میں عقل نہیں۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے جس عقل کی نفی کی ہے اس سے مراد عقل کا وہ درجہ ہے جس سے احکام شرعیہ کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ مطلقاً عقل کی نفی مقصود نہیں۔

انہوں نے دیکھا کہ شریعت نے حیوانات کو مکلف نہیں کیا ہے لہذا فرمادیا کہ حیوانات میں عقل نہیں یعنی اتنی عقل نہیں جو مدار تکلیف ہوسکے دیکھئے مراہق (جو بلوغ کے قریب ہو) مکلف نہیں۔ پھر بالغ ہوتے ہیں مکلف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس قلیل مدت میں یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے بالکل عقل نہ تھی۔ اور اب ایک دم عقل کا چشمہ پھوٹ پڑا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مراہق بلوغ سے پہلے بھی عاقل تھا۔ مگر معتد بہ عقل نہ تھی۔ اور مدار تکلیف مطلق عقل نہیں بلکہ عقل معتد بہ ہے۔ ہاں اس عقل معتد بہ کے مراتب میں بھی فرق ضرور ہوتا ہے چنانچہ بعض آدمیوں میں زیادہ عقل ہوتی ہے بعض میں کم۔ ایسے ہی بعض حیوانات زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں بعض کم۔ خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات میں عقل ہے تو ضرور جس کی وجہ سے انسان کی تعریف حیوان ناطق کے ساتھ صحیح نہیں ٹھہرتی مگر اتنی نہیں جسکی وجہ سے ان کو مکلف کہا جاسکتا۔

مجذوب کے اقسام

۳۰- فرمایا مجذوب مختلف قسموں کے ہوتے ہیں۔ بعض مجذوب کھاتے ہیں پیتے ہیں خوشی سے خوش اور رنج سے رنجیدہ ہوتے ہیں سارے کام عام لوگوں کی طرح کرتے ہیں مگر نماز روزہ کے پابند نہیں ہوتے۔ اس لئے اہل ظاہر ان پر لعن طعن کرتے ہیں وہ ان کو مکلف خیال کرتے ہیں حالانکہ ان میں وہ عقل نہیں ہوتی جو مدار تکلیف ہے۔ ہاں حواس صحیح ہوتے ہیں لیکن صحت حواس مدار تکلیف نہیں مگر اکثر لوگ صحت حواس وصحت عقل کے فرق سے ناآشنا ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے بیان کیا ہے کہ جیسے حیوانات مکلف نہیں حالانکہ چلتے پھرتے کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے ہیں دوست دشمن کو پہچانتے ہیں۔ ایسے ہی بعض مجذوب بھی باوجود ان سب افعال کے صدور کے غیر مکلف ہوتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ وہ عقل جو مدار تکلیف ہے۔ نہ حیوانات میں ہے نہ مجاذیب میں باقی یہ بات کہ ایسے مجذوبوں میں کیا فرق ہے سو اس میں میری رائے یہ ہے کہ ان کے ساتھ اس وقت کے اہل بصیرت صلحاء کا معاملہ دیکھا جائے اگر وہ ان کے ساتھ ادب و تعظیم سے پیش آتے ہوں تو وہ مجذوب ہے اس کی بے ادبی نہ کی جائے اور اگر وہ اسکی طرف توجہ

نہ کرتے ہوتو پاگل سمجھا جاوے۔ باقی ان مجاذیب کا اتباع کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ۔ کیونکہ جب وہ مکلف ہی نہیں تو دینی حیثیت سے ان کے قول وفعل کا کیا اعتبار۔ پھر اسی سلسلہ میں فرمایا دیو بند میں ایک مجذوب تھے شمس الدین جو فارسی بولتے تھے۔ ہم لوگ اپنے بزرگوں کے فرمانے سے جانتے تھے کہ یہ تکوینی طور پر غیر مسلمین کے حامی ہیں ۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں جیسے ملائکہ کفار کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کو درندوں سانپوں اور بچھوؤں سے بچاتے ہیں ۔ ایسے ہی بعض مجذوبوں کے سپرد یہ خدمت کر دی جاتی ہے کہ اہل باطل کی حمایت کریں ۔ بہر حال ہم لوگ طالب علمی کے زمانہ میں ان مجذوب صاحب سے کہا کرتے تھے کہ دعا کیجئے کہ یہ غیر مسلمین مغلوب ہو جائیں تو وہ جواب میں صرف یہ کہا کرتے تھے کہ خدا خیر کند، خدا خیر کند جب ان مجذوب کا انتقال ہوا تو میں افسوس کرنے لگا تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ آج ہمارا دشمن مر گیا ۔ اسی سلسلہ میں فرمایا تکوینی خدمات جن لوگوں کے سپرد کی جاتی ہیں عموماً اعلیٰ درجہ کے نہیں ہوتے جیسے ملازم بڑے یا چھوٹے ایسے ہی ان کا حال ہے ۔ اور سالکین حضرات انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں قرب و فضیلت کا اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں البتہ اگر کوئی جامع ہو اسکا ذکر نہیں اس فرق کو دوسری مثال میں یوں سمجھئے کہ مجذوب تو حضرت خضر علیہ السلام کے مانند ہوتا ہے اور سالک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درجہ حضرت خضر علیہ السلام سے بہت زائد ہے خواہ حضرت خضر ولی ہوں جیسے کہ بعض کا خیال ہے یا نبی ہوں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم میں سے ہیں ۔ اس لئے قرب وفضیلت میں زائد ہیں ۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعض جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ علم طریقت علم شریعت سے بڑھا ہوا ہے ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کہ عالم شریعت تھے حضرت خضر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا جاتا کہ عالم تھے تحصیل علم کے لئے بھیجا گیا ۔ اسکا عکس نہیں کیا گیا کہ حضرت خضر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا جاتا مگر یہ دعویٰ اور استدلال دونوں بالکل غلط ہیں ۔ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ علوم طریقت نہیں ہیں بلکہ تکوینیہ ہیں جو علوم شریعت کے مقابلہ میں بہت کم درجہ کے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام طریقت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے ہیں باقی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

حضرت خضر کے پاس بھیجنا وہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ حضرت خضر کے علوم افضل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انکی احتیاج ہے بلکہ اس بھیجنے میں حکمت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص اصلاح ہے۔ یعنی اپنی شان بلند کے مطابق الفاظ کی بھی رعایت کرلیا کریں اور عبارت کے آداب بھی ملحوظ رکھا کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ وعظ بیان فرمایا تھا۔ اس مجمع میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ اس زمانہ میں سب سے زیادہ عالم کون ہے آپ نے فرمایا میں ہوں۔ اس جواب کے عنوان کو حق تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا کہ اپنے آپ کو علی الاطلاق سب سے زیادہ عالم کہا جائے بلکہ اس قید کے ساتھ جواب دینا چاہئے تھا۔ کہ علوم مقصودہ میں سب سے اعلم ہوں گو مراد یہی تھی۔ مگر اس قید کا لفظوں میں بھی ظاہر کرنا چاہئے تھا اسی پر ارشاد ہوا کہ ہمارے ایک بندہ خضر ہیں ہم نے ان کو ایسے علوم دیئے ہیں کہ آپ نہیں جانتے۔ بس اب آپ جا کر اس بندہ یعنی حضرت خضر سے ملاقات کیجئے تاکہ مشاہدہ ہو جائے کہ ان کو وہ علوم دئے گئے ہیں جو آپ کو نہیں دیئے گئے۔ گو ان کے علوم درجہ و مرتبہ میں آپ کے علوم سے بہت کم ہیں۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الفاظ کا ادب و رعایت سکھانے کے لئے سفر کا حکم ہوا تھا۔ نہ کہ علوم تکوینیہ کی فضیلت کی وجہ سے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ناواقف لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ بعضے آنے والوں کے لئے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ مجلس میں خاموش بیٹھے رہو۔ سوالات کا تم کو کچھ حق نہ ہوگا مگر دیکھ لیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر نے جو ان سے درجہ میں بہت کم تھے یہی شرط کی تھی "فلا تسئلنی الخ" اور انہوں نے بخوشی اس کو منظور بھی فرمالیا تھا اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصلح اصلاح کے لئے مناسب اور جائز شرط مقرر کرے تو کچھ حرج نہیں اور طالب کے لئے ان کا اتباع ضروری ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں قتل غلام و خرق سفینہ کے متعلق ایک طالب علمانہ اشکال ہے کہ اگر یہ امور جائز تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیوں کیا اور اگر ناجائز تھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان کا ارتکاب کیوں کیا خصوص جبکہ پیغمبر وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر نکیر بھی کررہے تھے۔ اس اشکال کا اجمالی جواب یہ ہے کہ یہ افعال قواعد کی رو سے بظاہر خلاف شرع تھے

اس لئے حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا اور حکمت و مصلحت معلوم ہونے کے بعد خلاف شرع نہ تھے چونکہ حضرت خضر اس حکمت کو جانتے تھے اس لئے انہوں نے ارتکاب کیا۔ اس اجمال کی تفصیل جو طلبہ کے لئے طرب انگیز و وجد آور ہے میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت حضرت خضر علیہ السام پر حجت نہ تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت عام نہ تھی بلکہ ایک خاص جماعت یعنی بنی اسرائیل کے لئے تھی دیکھئے حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے بوقت ملاقات دریافت کیا تھا کہ آپ کون ہیں آپ نے فرمایا تھا موسیٰ حضرت خضر نے اس پر کہا تھا وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل کی جانب مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا جی ہاں۔ پھر جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا بعثت عام صرف ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی اور کسی دوسرے نبی و رسول کی بعثت عام نہ تھی۔ مگر اس پر ایک مشہور اشکال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اگر عام نہ تھی تو ان کے نہ ماننے سے تمام عالم کیوں غرق ہوا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ السلام ہی کے ساتھ بعثت عامہ کی تخصیص نہیں رہی۔ علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ایک جواب جو میری سمجھ میں آیا ہے اور کہیں نظر سے نہیں گزرا بیان کرتا ہوں۔ احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اصول جیسے توحید، رسالت، حشر و نشر، دوزخ و جنت وغیرہ۔ دوسرے فروع جیسے وضو، غسل، نماز، روزہ، حج اور انکی جزئی خصوصیات وغیرہ اصول میں تو ہر نبی کا اتباع عام طور پر فرض ہے۔ کوئی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ جو شخص اصول کو نہ مانے گا وہ کافر ہوگا۔ دنیا میں بھی سزا کا مستحق اور آخرت میں بھی۔ باقی فروع میں وجوب اتباع یہ بجز سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کے لئے عام نہیں۔ اس تحقیق کے بعد کوئی اشکال نہیں رہا۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت اصول میں عام تھی چونکہ توحید و رسالت کا سب نے انکار کیا اس لئے اس انکار کی وجہ سے سب غرق کئے گئے۔ "حاصل هذا الجواب ان بعثة نبينا صلى الله عليه وسلم عامة من جميع الوجوه وبعثة سائر الرسل و الانبياء عامة من وجه وخاصة من وجه فانظروا ايها الطلاب. ما احسن هذا الجواب ما رأينا ما يقاربه في رسالة" (ولا کتاب ۱۲) اس کے بعد پھر اصل قصہ کی

جانب عود فرما کر بیان فرمایا کہ الحاصل حضرت خضر علیہ السلام دوسری شریعت کے پیرو تھے اور جس شریعت کے حضرت خضر علیہ السلام پیرو تھے منجملہ اسکے دیگر احکام کے یہ حکم بھی احتمالاً معلوم ہوتا ہے کہ الہام حجت قطعیہ اور واجب العمل ہے اور اس احتمال پر قتل غلام اور خرق سفینہ پر کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو ایسا کرنے کا الہام ہوا جو انکی شریعت میں برہان قاطع تھا۔ اور دوسری نصوص عامہ قطعیہ الہام کی قطعیت کی وجہ سے ان جزئیات خاصہ کے حق میں منسوخ ہوگئی ہوں کیونکہ ایک قطعی دوسرے قطعی کے لئے ناسخ ہوسکتا ہے۔ اور اگر علی سبیل التنزل الہام ان کے یہاں حجت قطعیہ نہ ہو بلکہ دلیل ظنی ہو تب بھی گنجائش ہے کیونکہ ممکن ہے ان کے یہاں بھی قاعدہ ہو کہ عام قطعی کی تخصیص مطلقاً دلیل ظنی سے جائز ہے خواہ وہ اس سے پہلے کسی قطعی سے مخصوص ہو یا نہ ہو۔ اور وہ شرط نہ ہو جیسے ہمارے یہاں ہے کہ اول ایک بار کسی سے قطعی سے تخصیص ہو جاوے اس کے بعد پھر دلیل ظنی خبر واحد یا قیاس سے تخصیصاً جائز ہوتی ہے اور الہام اس درجہ کی بھی دلیل نہیں ہے۔ اس شریعت میں یہ نہ ہو اور اس بناء پر الہام سے دوسرے عمومات کی تخصیص ہو جاتی ہو۔ اور چونکہ یہ جواب بدرجہ منع ہے اس لئے ان مقدمات پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں واللہ اعلم بالصواب۔ میں نے اس جواب کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں بھی پیش کیا تھا مولانا نے بہت پسند فرمایا تھا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعضے بزرگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ زیادہ شغف کا برتاؤ نہیں کیا۔ غالباً حضرت ابراہیم ادہم کا واقعہ ہے اُن سے حضرت خضر علیہ السلام نے ملاقات کی۔ پھر پوچھا مجھے پہچانا۔ انہوں نے فرمایا مجھے پہچاننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی مشغولی سے اتنی فرصت ہی نہیں ۔ حضرت خضر علیہ السلام نے خود ہی بتا دیا کہ میں خضر ہوں ۔ انہوں نے فرمایا بہتر مگر مجھے کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا لوگ تو میری ملاقات کی تمنا کرتے ہیں ۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں کرتے ہوں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا لوگ مجھ سے دعا کرایا کرتے ہیں ۔ آپ بھی دعا کرایئے ۔ انہوں نے فرمایا ان کا دربار عام ہے ہر شخص کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کسی واسطہ پر موقوف نہیں جو کچھ مجھے مانگنا ہے میں خود ہی مانگ لوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے

اصرار فرمایا تو انہوں نے کہا بہتر ہے اگر آپ دعا کے واسطے حکم ہی دے رہے ہیں تو یہ دعا کر دیجئے کہ مجھ کو نبوت مل جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ دعا کیسے ہو سکتی ہے۔ نبوت تو ختم ہو گئی (اور مستحیلات شرعیہ کی دعا ناجائز ہے) انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کے اصرار پر ایک دعا کی فرمائش کی تھی وہی آپ کے قابو سے باہر ہے۔ اسی سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ چند محدثین حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے احادیث کا مذاکرہ کر رہے تھے صرف ایک بزرگ گوشہ میں علیحدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کیوں اس فضیلت سے محروم رہتے ہیں شریک ہو کر احادیث سنیئے ان بزرگ نے دریافت کیا کہ یہ حضرات احادیث کس سے روایت کرتے ہیں حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ سفیان ثوری اور ابن عیینہ وغیرہ ہما سے نقل کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو شخص خود حق تعالیٰ سے بلا واسطہ روایت کرتا ہو اس کو ان وسائط کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دلیل یہ ہے کہ آپ کو تو میں پہچانتا ہوں کہ آپ خضر علیہ السلام ہیں لیکن آپ مجھے نہیں پہچانتے یعنی میرے مقام سے ناآشنا ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا مجھ کو آج معلوم ہوا کہ بعض اولیاء اللہ کو میں بھی نہیں پہچانتا ہوں مگر یہ سب واقعات غلبہ حال کے ہیں جو محتاج تاویل ہیں احکام اصلیہ نہیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرے ایک ماموں صاحب شاید اسی بناء پر فرماتے ہوں کہ یہ جو مشہور مقولہ ہے "ولی راولی می شناسد" یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ولی را نبی می شناسد" کیونکہ اولیاء کے احوال اور مذاق مختلف ہوتے ہیں ایک حالت اور مذاق والا ولی دوسری حالت اور مذاق والے ولی کو نہیں پہچان سکتا۔ ہاں نبی تمام مقامات کا جامع ہوتا ہے اس لئے وہ ہر ولی کو پہچان سکتا ہے (البتہ اس مقولے کے یہ معنی لئے جائیں کہ غیر ولی ولی کو نہیں پہچان سکتا خواہ ولی پہچان سکے یا نہیں تو صحیح ہو سکتا ہے ۱۲ جامع) اس تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ دیکھئے پولیس کے دو محکمے ہیں ایک ظاہر پولیس جو کھلم کھلا پکڑ دھکڑ اور دارو گیر کرتی ہے حفاظت وغیرہ کے فرائض کو انجام دیتی ہے ایک خفیہ پولیس جو خاموشی اور پوشیدگی کے ساتھ اپنا کام کرتی ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر پولیس خفیہ پولیس کو

پہچان بھی نہیں سکتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی خفیہ پولیس والے پر ظاہر پولیس نے کوئی مقدمہ چلا دیا ۔ بے چارہ پھنس گیا اور قریب تھا کہ قید کا حکم سنا دیا جائے۔ اس نے کہا کہ میں حاکم سے کچھ تنہائی میں کہنا چاہتا ہوں۔ تنہائی میں اپنے کاغذات وغیرہ دکھلائے۔ حاکم نے کوئی قانونی گنجائش نکال کر بری کر دیا۔ مگر خفیہ پولیس کے اعلیٰ حکام اس شخص پر ناراض ہوئے کہ تو نے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام نہیں دیئے اور ملازمت و محکمہ کا حق ادا نہیں کیا۔ تو نے کیوں ظاہر کیا کہ میں خفیہ پولیس میں ملازم ہوں۔ تجھ کو خاموشی سے جیل خانہ جانا چاہئے تھا اور وہاں بھی اپنے فرائض انجام دیتا۔ اسی طرح اولیاء اللہ کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض اولیاء عوام میں ایسے ملے جلے ہوتے ہیں کہ لوگ ان کو خواہ ولی ہو یا غیر ولی پہچان نہیں سکتے۔

طلب صادق

۴۸ - ایک صاحب نے جو ایک تفسیر کے مختلف حصے ملک میں شائع کر چکے ہیں حضرت والا کی خدمت میں اپنی اصلاح کا تعلق پیدا کرنے کی درخواست بھیجی۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ کیا آپ ان مضامین سے جو آپ نے تفسیر میں غلط سلط لکھے ہیں رجوع فرما لیں گے۔ اس کے بعد ان کا خط آیا۔ حضرت نے مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ آج فلاں صاحب کا خط آیا ہے انہوں نے صریح اور صاف الفاظ میں تفسیر کے محرف مضامین سے رجوع کر لیا اور لکھا ہے کہ آپ جس طرح چاہیں اس رجوع کو شائع کر دیں میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ چونکہ رجوع کے شائع کرنے میں میری کوئی مصلحت نہیں۔ سراسر آپ ہی کی مصلحت و منفعت ہے اس لئے آپ خود ہی شائع کریں۔ پھر فرمایا انہوں نے شائع شدہ تفسیر سے رجوع کرنے میں ہمت سے کام لیا۔ میں اس کی داد دیتا ہوں۔ جب طلب صادق ہوتی ہے تو یہی اثر ہوتا ہے۔ (ان صاحب نے اپنا رجوع نامہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجا تھا حضرت نے مناسب ترمیم کر دی تھی۔ اسکے بعد انہوں نے روزنامہ انقلاب میں اس کو شائع کرا دیا تھا۔ ۱۲ جامع)

---

[1] پورا مضمون لفظ بلفظ ملفوظات کے ساتھ ارمغان جاوداں یعنی حالات سفر میں بسلسلہ سفر کانپور درج ہے۔ وصل

مدعی شرافت اور غریب عوام

۳۹ - فرمایا آج کل جو لوگ شرافت کے مدعی ہیں وہ علی العموم غریب اقوام کی تحقیر کرتے ہیں اور ادھر ان غریب اقوام کو یہ خبط ہوا ہے کہ وہ اپنی حد سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک دونوں فریق تکبر وخود بینی میں گرفتار ہیں۔ کیونکہ مدعیان شرافت تو کھلم کھلا تحقیر کرتے ہی ہیں اور دوسروں کی تحقیر ظاہر ہے کہ عین تکبر ہے اور غریب اقوام اپنی برادری کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اس سے جدا ہو کر دوسری برادریوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی تکبر ہی ہوا کیونکہ اپنے بھائیوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ بعض نصوص سے تو تمام انسانوں میں مساوات معلوم ہوتی ہے اور بعض نصوص سے تفاضل اور مراتب کی کمی بیشی مفہوم ہوتی ہے۔ میں نے اس کے متعلق ایک مختصر مگر جامع مضمون ابھی کانپور میں لکھا تھا۔ اس مضمون سے معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں قسم کے نصوص میں کوئی تعارض نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مساوات کا کیا محل ہے اور تفاضل کا کیا اور مساوات وتفاضل کی حدود کیا ہیں۔ (احقر اسعد اللہ عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون کانپور کے رسالہ الادب کانپور بابت ماہ رمضان ۱۳۵۷ھ ص ۳۳، ۳۴ پر شائع ہو چکا ہے۔ اور غالباً النور میں بھی بسلسلہ امداد الفتاویٰ شائع ہوگا ۱۲ میں یہاں تتمیماً للفائدہ اسکا خلاصہ یہاں بھی لکھتا ہوں۔

حضرت سے سوال کیا گیا کہ بعض قومیں دوسری قوموں کی تحقیر کرتی ہیں اور بعض قومیں بلا دلیل اپنے کو دوسری قوموں میں داخل کرتی ہیں۔ یہ دونوں فعل شرعاً کیسے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں فعل شرعاً قبیح ہیں۔ پہلا تفریط ہے دوسرا افراط۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصوص شرعیہ کی اس باب میں دو قسمیں ہیں ایک مثبت مساوات ایک مثبت تفاضل اور چونکہ نصوص میں تعارض ناممکن ہے اس لئے ہر ایک کا محل جدا قرار دیا جائے گا۔ پس نصوص مساوات تو آخرت کے متعلق ہیں یعنی نجات کے لئے ایمان وعمل صالح کے مدار ہونے میں اسلامی حقوق میں اور دینی کمال حاصل کرنے کے بعد تقدم میں سب برابر ہیں۔ چنانچہ مدعیان شرافت بھی سب قوموں کے پیچھے نماز

پڑھتے ہیں ان سے مرید ہوتے ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں اور نصوص تفاوت احکام راجعہ الی المصالح الدنیویہ کے باب میں ہیں جیسے شرف نسب یا نکاح میں کفاءت حتیٰ کہ جو اقوام عرفاً اعلیٰ طبقہ کی مشہور ہیں خود ان میں بھی باہم دگر تفاوت شرعاً معتبر ہے۔ قریش میں بنی ہاشم کا شرف نسبی بقیہ قریش پر نص میں وارد ہے۔ کفاءت میں قریش کو غیر قریش پر فضیلت (گو وہ عربی ہی ہیں) دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ اب نصوص میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ پس جو لوگ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو اعتقاداً یا عملاً حقیر سمجھتے ہیں یا جو لوگ بلا دلیل شرعی بڑی قوموں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں دونوں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں پہلی جماعت کا تکبر تو کھلا ہوا ہے۔ مگر دوسری جماعت بھی متکبر ہے کیونکہ جب دوسری قوم میں بلا دلیل داخل ہونے کی کوشش کی تو اپنی قوم کو ذلیل سمجھا ورنہ اس سے نکلنے کی کوشش نہ کی جاتی اور اس جماعت کو علاوہ تکبر کے نسب بدلنے کا بھی گناہ ہے جس پر حدیث میں سخت وعید وارد ہے۔ ان دونوں جماعتوں پر واجب ہے کہ افراط و تفریط سے توبہ کر کے حدود شرعیہ کے اندر رہیں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں۔ اور دونوں کمالات دینیہ حاصل کریں جو کہ مسلمانوں کا اصل مقصود ہے۔ ۱۲

احتیاط

۴۰۔فرمایا ایک صاحب نے لکھا ہے کہ پارہ الم کی تفسیر بطرز جدید ارسال خدمت کر رہا ہوں اس پر تقریظ لکھ دیجئے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ نہ اتنی فرصت اور نہ طاقت لہذا مجبوری ہے۔ پھر فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ تقریظ کے لئے جو کتاب آتی ہے اگر میں اس پر تقریظ نہیں لکھتا ہوں تو واپس کر دیتا ہوں گو اس نے ہبہ ہونا ظاہر کیا ہو۔ کیونکہ بھیجنے والے کا مقصود تقریظ ہے جب وہ حاصل نہیں ہوا تو کتاب کا تدیناً درست نہیں۔

تبرع

۴۱۔فرمایا میں داڑھی منڈوانے والوں سے بھی بلا ظاہری استنکاف کے مل لیا کرتا ہوں۔ فیروز پور کے ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں کوٹ پتلون اور ہیٹ کی وضع میں آنا چاہتا ہوں۔

میں نے لکھ دیا کہ شوق سے آ جائیے۔ آپ اگر ظاہری امراض میں مبتلا ہیں تو میں باطنی امراض میں گرفتار ہوں۔ ایک مریض کی دوسرے مریض سے ملاقات میں کیا حرج ہے مگر اسکے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ خانقاہ میں ٹھہرانے کی اجازت نہ ہوگی۔ دوسری جگہ مناسب انتظام کر دیا جائے گا تاکہ نہ آپ کو خانقاہ والوں سے اذیت ہو اور نہ ان کو آپ کی حالت سے دحشت لیکن وہ جب آئے تو بالکل ملا بن کر آئے۔

رعایت

۴۲-فرمایا جو لوگ محض ملاقات کے لئے آتے ہیں ان سے خشونت برتنا نافع نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص مرید ہو یا زیر تربیت ہو تو اس پر بقدر ضرورت سختی بھی کرنا نافع ہے۔

مسلمانوں کا محبّ

۴۳-فرمایا آج کل میں اس کو دیکھا کرتا ہوں کہ صحیح طور پر مسلمانوں کی سچی محبت وحمایت کرنے والا کون ہے مجھے ایسے شخص سے محبت ہو جاتی ہے۔

حسن پسندی

۴۴-فرمایا لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ حسن پرست تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ پرستش تو معبود برحق کی ہوتی ہے۔ مرزا صاحب صرف خدا پرست تھے۔ ہاں حسن پسند تھے یعنی لطافت مزاج ونظافت احساس کی وجہ سے ہر شے کو حسین وجمیل اور صاف ستھرا دیکھنا چاہتے تھے۔ کسی آدمی کسی سن کسی چیز کی تخصیص نہ تھی۔ (تذکرہ آب حیات میں آزاد مرزا صاحب کے جو حالات لکھے وہ قابل اعتبار نہیں۔ مرزا صاحب شیخ المشائخ ہیں ۱۲ اسعد) مرزا صاحب میں یہ لطافت بچپن ہی سے تھی۔ چنانچہ خوبصورت اور صاف لباس والے کی گود میں فوراً چلے جاتے تھے اور بدصورت میلے کچیلے کی گود میں ہرگز نہ جاتے تھے۔

ناموں کی تجویز

۴۵-فرمایا ایک صاحب نے لکھا ہے کہ نیا مکان تیار ہوا ہے۔ دو نام زیر تجویز ہیں اشرف البیوت اور بیت اشرف۔ آپ جو نام مناسب سمجھیں مطلع فرمائیں۔ میں نے لکھا ہے کہ دوسرا نام مختصر ہے۔ وجہ ترجیح کی کسی نہیں لکھی۔ اب ان کو اختیار ہے جو چاہیں رکھیں۔ بعض لوگ عمارات بنوا کر درخواست کرتے ہیں کہ ایسا نام تجویز کر دیجئے۔ جس میں آپ کا نام بھی آ جائے مگر مجھے ایسا نام بتاتے ہوئے شرم آتی ہے چنانچہ نہیں بتاتا ہوں (حالانکہ ناموں کے رکھنے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایسا ملکہ عطا فرمایا ہے کہ باید وشاید ۱۲)

مصالح کا خیال

۴۶-ایک صاحب نے دستی پرچہ بھیجا۔ حضرت نے اس پر جواب لکھ کر لانے والے کے حوالہ کر کے فرمایا کہ گو اس میں لکھا تھا کہ جواب خواہ زبانی دے دیا جائے یا تحریری مگر میں نے باوجودیکہ زبانی جواب سہل تھا تحریری ہی جواب دیا کیونکہ میری عادت ہے کہ تحریر کا جواب تحریر سے اور تقریر کا جواب تقریر سے دیا کرتا ہوں اس میں بہت مصالح ہیں۔

تعارف

۴۷- ایک سن رسیدہ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت کل کس وقت زیارت ہو سکے گی فرمایا کہ کل صبح کو آ جایئے جب دوسرے اصحاب کو بلایا جائے تو آپ بھی مجھ کو اپنی موجودگی کی اطلاع کرا دیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں ڈھائی برس حاضر خدمت رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کو جو جواب دیا گیا ہے آپ اسے سمجھے یا نہیں۔ کچھ سکوت کے بعد کہا نہیں۔ حضرت نے جواب مکرر بیان فرما دیا انہوں نے کہا کہ بہت اچھا اور پھر دوبارہ بھی کہا کہ میں ڈھائی برس حاضر خدمت رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ غالباً آپ اس سے اپنا تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ تعارف کے لئے صرف اتنا پتہ کافی نہیں۔ نیز الماضی لا یذکر ماضی کو چھوڑیئے یہ بتایئے کہ کیا آپ نے مکاتبت وغیرہ سے تعلقات کو قائم رکھا ہے۔ کہ تعارف رہتا حالانکہ تعلقات کا باقی رکھنا کچھ

مشکل نہیں اگر کم از کم ہر مہینے ایک خیریت طلب خط ہی لکھ دیا جائے تو بھی کافی ہے۔

صبح ۹ ½ بجے چہار شنبہ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۸ء لکھنؤ

تصنّع

۴۸- ایک صاحب اجازت لے کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور دروازہ کے قریب ایک بیٹھے ہوئے شخص سے خوب مل کر بیٹھ گئے۔ فرمایا بہت جگہ خالی ہے ادھر آرام سے بیٹھئے۔ افسوس ہے کہ اس کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا کہ اس طرح بلاضرورت مل کر بیٹھنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعضے لوگ قصداً ذلیل جگہ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حقیقی تواضع یہی ہے گو کسی کو اذیت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سب لایعنی تکلفات ہیں۔ جہاں فراغت کی جگہ ہو وہاں بیٹھنا چاہئے۔ اگر ہر شخص جوتیوں میں بیٹھنا شروع کردے تو منتظم کے لئے ایک کام اور بڑھے کہ ہر ایک سے کہے کہ یہاں تشریف رکھئے۔ اس تصنع نے ناس کردیا ہے۔ نیز یہ تکلف وتصنع سنت کے بھی خلاف ہے۔

نسیان

۴۹- فرمایا کہ مولوی عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے آنے کو لکھا تھا یاد نہیں رہا کہ آج کا دن مقرر کیا تھا یا کل کا ایک صاحب نے کہا کہ آج ہی کا دن مقرر کیا تھا۔ اس پر حضرت نے فرمایا اپنے بھولنے پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ تھانہ بھون سے قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر ایک برات گئی مگر طے شدہ تاریخ سے ایک روز بعد میں پہنچی۔ لڑکی والے بہت بگڑے کہ قرارداد کے خلاف کیا انتظام میں ابتری ہوئی۔ نقصان ہوا۔ یہ دیکھ کر براتی گھبرا گئے۔ براتیوں میں ایک ظریف بھی تھے وہ بولے کہ بھائی ہم تھانہ بھون سے تو اسی مقررہ دن مثلاً بدھ کو چلے تھے لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آج بدھ نہیں جمعرات ہے۔ لڑکی والوں نے کہا کہ تھانہ بھون سے یہاں تک کا راستہ چند گھنٹوں میں قطع ہو جاتا ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہاں سے بدھ کو چلے اور یہاں جمعرات کو

پہنچے۔ ظریف صاحب نے فرمایا تو پھر زمین کا پھیر معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا اس کا کیا مطلب یہ کیسے ہوسکتا ہے ظریف صاحب نے کہا اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو تھانہ بھون جا کرو دریافت کر لیجئے وہاں ہر شخص آج بدھ ہی بتائے گا بس یہ صرف زمین ہی کا پھیر ہے۔ یہ سن کر سب ہنس پڑے اور ناراضی ختم ہوگئی۔

وعدہ کا پاس

۵۰- وصل صاحب بلگرامی نے عرض کیا کہ اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ ہٹلر نے حکومت برطانیہ کو بہت سخت جواب دیا ہے کہ تم ہم کو فلسطین کے عربوں کی طرح نہ سمجھنا جو تمہارے ظلم و تشدد کا انسداد نہیں کر سکے ہم تمہارے چھکے چھڑا دیں گے حضرت نے یہ سن کر فرمایا ان لوگوں کی نہ صلح کا اعتبار نہ جنگ کا اور جب اپنے وعدہ ہی کا پاس نہ ہو تو کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں۔

ریا و سمعہ

۵۱- فرمایا آج کل لوگوں نے جیل میں جانا فرض اور عبادت مقصودہ سمجھ رکھا ہے گو واجبات کا اہتمام نہ ہو گو فرائض کی فکر نہ ہو لیکن جیل میں جانے کو تیار ہیں۔ عموماً صرف ریا و سمعہ اس پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر دینی جذبہ ہو تو تمام امور دینیہ یکساں طور پر انجام دئے جاتے۔

ڈھنگ کی بات سے تکلیف نہیں ہوتی

۵۲- فرمایا جو بات ڈھنگ کی ہوتی ہے گو بے باکی ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو وہ ناگوار نہیں ہوتی ایسی بات صرف اس کو ناگوار ہوتی ہے جس کو یہ خیال ہو کہ ہمارا ادب و احترام کیوں نہیں کیا گیا۔ الحمد للہ یہاں اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوتا۔ البتہ بے ڈھنگی اور بے تکی بات سے ضرور اذیت ہوتی ہے۔

سوال کے متعلق قواعد

۵۳- ایک معمر معزز صاحب نے پوچھا کہ کل یوم ھو فی شان کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا گستاخی معاف ہو اس وقت اس سوال کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں تو ضروری باتیں دریافت کرنا

چاہئیں اس قسم کے سوالات تو بذریعہ خط وطن سے بھی کئے جا سکتے ہیں۔قرآن شریف اتنا سہل نہیں ہے کہ منہ اٹھا کر اس کے معانی بلا تکلیف بیان کر دیئے جائیں ۔اگر کوئی شخص تمام عمر بھی خدمت قرآن میں صرف کرے اور تفاسیر کا مطالعہ رکھے تب بھی جب اس کی کوئی آیت آئے گی اس کو ضرور غور وفکر وتتبع کی ضرورت پڑے گی۔آپ کو کم از کم میری بیماری کا تو خیال کرنا چاہئے تھا کہ غور وفکر اور طویل تقریر سے تکلیف ہوگی خصوصاً اس حالت میں کہ میری تفسیر بیان القرآن موجود ہے اس میں ملاحظہ فرما لیتے اور مجھ کو خود تفسیر کے مضامین ہر وقت مستحضر نہیں رہتے۔بعض اوقات میں خود اپنی تفسیر دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔

جوش کے کام ناپائیدار ہوتے ہیں

۵۴-فرمایا جس قدر کام جوش کے ہوتے ہیں سب کے سب غیر مستقل اور ناپائیدار ہوتے ہیں اور کچھ دنوں میں ختم ہو جاتے ہیں اور جو کام تدبر وتفکر کے ساتھ تدریجاً انجام دیئے جاتے ہیں وہ محکم اور مثمر ہوتے ہیں۔دیکھئے تیز بارش سے پیداوار نہیں ہوتی اور ہلکی بارش سے کھیتی خوب لہلہاتی ہے۔

دین کی بے قدری

۵۵-فرمایا آج کل اکثر لوگوں کو دینی رسائل اور دینی مسائل کی طرف بالکل توجہ نہیں۔صرف ایسے رسالوں کی قدر ہے جن میں حسن وعشق کے مخرب اخلاق قصے ہوں۔جھوٹے اور دین سوز افسانے ہوں۔مہمل اور غیر مثمر نظمیں ہوں۔لوگوں کی ناجائز عیب جوئی اور غیبت ہو۔بس ان کی قدر ہے اور دینی باتوں کو خشک بتایا جاتا ہے۔جس زمانہ میں القاسم دیوبند سے شائع ہوتا تھا اس میں میرا مضمون تربیۃ السالک بھی مدتوں تک مسلسل نکلتا رہا کہ اس اثناء میں ایک پنجابی صاحب کا خط آیا کہ ہم کو ایسے خشک مضامین کے رسالہ کی ضرورت نہیں کوئی تاریخی مضمون ہونا چاہئے۔یہ خط پڑھ کر مجھ کو وہم ہوا کہ شاید اس قسم کا کوئی خط دیوبند بھی آیا ہو جس سے ارکان القاسم کو اندیشہ ہوا کہ ایسے مضامین سے رسالہ کو نقصان پہنچے گا۔مگر میری رعایت کی وجہ سے مجھ کو مطلع نہ کیا ہو۔اس لئے

میں نے فوراً لکھ دیا کہ لوگ اس قسم کے مضمون پسند نہیں کرتے ہیں لہذا میری رائے ہے کہ اس مضمون کو بند کر دیا جائے وہ ارکان بخوشی اس پر راضی ہو گئے۔ دیکھئے میرا وہم صحیح نکلا۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ تو بڑا وہمی ہے مگر میں کیا کروں جب سارے اوہام واقعات ثابت ہوتے ہیں۔ اور جس شخص کے متعلق جو رائے قائم کرتا ہوں اکثر بعد تجربہ وہ اس کے مطابق ثابت ہوتا ہے۔

علم کی ضرورت

۵۶- فرمایا بہت سے ضروری اور مفید کتابوں کے مسودے مدرسہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں رکھے ہوئے ہیں مگر میں نے آج تک کبھی کسی شخص کو خاص خطاب کر کے تحریک نہیں کی کہ فلاں کتاب چھاپ لو یا چھپوالو۔ حالانکہ مخلص دوستوں میں ایسے باوسعت لوگوں کی کمی نہیں ہے جو برضا و رغبت بہتر طور پر اس کام کو انجام دے سکتے ہیں مگر مجھ کو شرم آتی ہے۔ نیز اس میں علم اور کتاب کی بھی اہانت ہے۔ اسکا یہ مطلب ہوگا کہ علم اور کتاب ان کے محتاج ہیں حالانکہ واقعہ اسکے برعکس ہے۔ ہاں اگر کوئی از خود درخواست کرے کہ فلاں مسودہ مجھے دیدیجئے میں شائع کروں گا تو خاص شرائط کے ساتھ دیدیا جاتا ہے یا یہ کہے کہ میری رقم سے فلاں کتاب شائع کر دی جائے تو اسکا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔

میرے یہاں کتابوں کی تجارت نہیں ہوتی

۵۷- فرمایا معاملات سے میری اس قدر یکسوئی پر بھی لوگوں کو شبہ ہے کہ میں در پردہ تجارت کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی خیال پر کتابوں کی فرمائش بھی میرے نام آجاتی ہے۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ میں تجارت نہیں کرتا ہوں خیر یہ لوگ تو بیچارے اجنبی اور دور کے رہنے والے ہیں جن کو میرے معمولات اور حالات کا پورا پورا علم نہیں۔ تعجب تو اس سے ہے کہ ایک خان صاحب جو مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کی ایک دوکان میں کرایہ پر بیٹھتے تھے۔ ہر وقت آمد و رفت رہتی تھی مدرسہ ہی کی مسجد میں پنجوقتہ نماز بھی پڑھتے تھے مجھ سے اچھے خاصے تعلقات تھے محبت کرتے تھے جو چیز موسم کے مناسب تجارت کے لئے تیار کرتے تھے مجھے ہدیہ دیتے تھے۔ بہر حال ان کو میرے حالات کا

کافی علم ہونا چاہئے تھا۔ خصوصاً ان حالات کا جو بالکل ظاہر اور کھلے ہوئے ہیں لیکن وہ ایک روز آئے اور کہنے لگے کہ ایک شخص تم پر اعتراض کر رہا تھا کہ فتوحات بھی بہت ہیں مطبع کی آمدنی بھی ہے کتابوں کی تجارت سے بھی کافی آمدنی ہے۔ ہدیے اور تحفے بھی آتے رہتے ہیں۔ میں نے اس شخص کو یہ جواب دیا کہ تم نے آمدنی کے ذرائع تو دیکھے لیکن خرچ کو بھی دیکھا کہ وہ کتنا ہے۔ یہ گفتگو سن کر میں نے کہا کہ خان صاحب کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ مطبع وغیرہ میرا ہے۔ دوہ بہت تعجب سے بولے اچھا کیا یہ آپ کا نہیں ہے۔ اب دیکھئے جب پاس رہنے والے متعلقین کا یہ حال ہے تو دور کے رہنے والے کی کیا شکایت۔ اسی سلسلہ میں فرمایا اگر میں تجارت کرتا ہوتا تو چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ نہ اس میں شرعاً کوئی گناہ ہے نہ عرفاً کوئی ذلت ہے۔ باقی میں جو تجارت وغیرہ کا انکار کر دیتا ہوں اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح حال معلوم ہو جائے۔ دھوکہ میں مبتلا نہ ہوں۔ بلکہ اگر تجارت عرفاً ذلت بھی ہوتی اور میں کرتا ہوتا تو تب بھی ضرور ظاہر کر دیتا کیونکہ اس میں شرعاً کچھ حرج نہیں۔

ھدایا کے متعلق معمول

۵۸- فرمایا ہدیہ میں جو چیزیں آتی ہیں اگر وہ میری ضرورت سے زائد ہوتی ہیں تو یا تو کسی رشتہ دار اور دوست کو بلا قیمت دے دیتا ہوں اور اگر بلا قیمت دینے کی ہمت نہیں ہوتی تو فروخت کر دیا کرتا ہوں گو بظاہر اس میں سبکی ہے عرف کے خلاف ہے۔ مگر اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں۔ رکھنا فضول اور تقسیم کے لائق نہیں یا تقسیم کی ہمت نہیں تو اب بجز بیع کے اس سے انتفاع کی کیا صورت ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس جب ہدایا ضرورت سے زائد جمع ہو جاتے تھے۔ تو سہارنپور اپنے مجاز حافظ قمر الدین صاحبؒ کے پاس فروخت کرنے کیلئے بھیج دیا کرتے تھے۔ لوگوں کے اعتراض کی بالکل پرواہ نہیں فرماتے تھے۔ ہدایا کے فروخت کرنے میں ہم نے نہ تو کسی پر ظلم کیا نہ کسی سے بھیک مانگی۔ جو مصلحت سمجھی اس کے موافق کیا اب اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو اسکی حماقت ہے۔ ہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کچھ شریعت کے خلاف تو نہیں کیا۔ اسی

سلسلہ میں فرمایا کہ چونکہ میں شریعت کے مطابق دونوں گھروں میں عدل کرنا چاہتا ہوں اسلئے جو ہدیہ تقسیم و تجزی کے قابل ہوتا ہے اس کو برابر تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور اگر دونوں حصوں میں کچھ تفاوت نہ ہوا تو تقسیم میں کچھ تکلف ہی نہیں۔ اور اگر کوئی عارضی تفاوت ہوا تو بلحاظ قیمت کے اور دوسری صورت میں اگر بعد تقسیم کوئی ایک ہی حصہ دونوں گھروں میں پسند ہوا تو قرعہ سے تعیین کر دیتا ہوں۔ گو یہ عرف کے خلاف ہے لیکن اگر مفت دیا جائے تو عدل شرعی کے خلاف ہے۔ ہاں جو چیزیں تجزیہ قبول کرتی ہیں ان کو دو مساوی حصوں میں منقسم کر کے دونوں گھروں میں بھیج دیتا ہوں محض عرف کے پیچھے پڑ جانا دانشمندی سے بعید ہے۔ پہلے دیکھنا چاہئے۔

کہ شرع کے تو خلاف نہیں پھر اسکے بعد راحت و آرام کا خیال ہونا چاہئے خواہ عرف کے مخالف ہو یا موافق۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اگر کسی شخص کا اعتقاد ان جائز اور راحت رسان امور کو دیکھ کر جاتا رہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ پہلے ہی سے معتقد نہ تھا کیونکہ اسکا حاصل تو یہ ہوا کہ شریعت مقدسہ پر عمل کرنے کی وجہ سے اعتقاد رخصت ہوگیا۔ نفرین ہے ایسے اعتقاد پر۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی معتقد نہیں رہا تو ہمارا کیا ضرر ہمیں کیا فکر۔ بحمد اللہ تعالیٰ نہ اسکی طلب نہ حاجت۔

صفائی معاملات

۵۹- فرمایا جب کوئی مہمان ہوتا ہے تو میں گھروں میں اسکے کھانے کے دام علیحدہ دے دیتا ہوں۔ میں ہر معاملہ کو صاف رکھنا چاہتا ہوں۔

رسم ورواج کی پابندی

۶۰- فرمایا رسم ورواج ایسی بلا ہے کہ اکابر تک بھی اس میں کسی نہ کسی قدر مبتلا ہوتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ایک بڑے مدرسہ کا ایک زبردست جلسہ ہوا۔ دیکھنے والے تجربہ کار اصحاب نے تیس ہزار آدمیوں کے اجتماع کا اندازہ کیا تھا۔ میں نے منتظمین کی خدمت میں یہ رائے پیش کی کہ اہل مدرسہ اپنے زیر انتظام کچھ دکانیں کھلوا دیں۔ مختلف کھانے ہر وقت تیار رہیں تا کہ ہر شخص کو اس کے مذاق کے مطابق کھانا مل سکے نیز نرخ بھی بلا جبر و اکراہ مقرر کر کے دو کانوں پر آویزاں کر دیا

جائے یا کسی اور طریقہ سے مشتہر کر دیا جائے تا کہ کمی بیشی اور مہمانوں کی پریشانی کا احتمال نہ رہے اہل مدرسہ صرف قیام کا انتظام اپنے ذمہ لیں اور کھانے کا انتظام نہ کریں آنے والے دوکانوں پر کھالیں اور جو لوگ دس دس بیس بیس روپے آمدورفت میں خرچ کر سکتے ہیں ان کو کھانے میں ایک دو روپے کا خرچ کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا اور ادھر مدرسہ کو ایک بڑی رقم بچ جائے گی۔ لیکن میری اس رائے کو تسلیم نہیں کیا گیا اور صرف یہ فرما کر ٹال دیا گیا کہ عرف و معمول کے خلاف ہے۔ رواج اسکی اجازت نہیں دیتا ہے۔ تیس ہزار کے مجمع کو کئی وقت کھانا کھلایا اور کھانا بھی ایسا لذیذ وعمدہ کہ ایسے ایسے متمول لوگ جن کو اپنے یہاں کے کھانے پر ناز تھا کہتے تھے کہ ہم نے ایسا کھانا کہیں نہیں کھایا تھا۔ ادھر تو مدرسہ کو زبردست زیر باری ہوئی اور ادھر منتظمین کی ایک بڑی جماعت مواعظ میں شریک نہ ہوسکی حالانکہ جلسہ کا اصل مقصود مواعظ ہی تھے یہ ہے رواج کی پابندی کا نتیجہ۔ اسی سلسلہ میں یہ مسئلہ فرمایا کہ زبردستی نرخ مقرر کرنا جائز نہیں ہے ہاں لوگوں کو راحت پہنچانے کے لئے اگر باہمی مفاہمتی سے ایسا کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ پھر فرمایا میرے یہاں اب یہ دستور ہے کہ مہمان جتنے دنوں چاہے قیام کریں اپنے کھانے کا انتظام خود کریں گے۔ ہاں جن سے خصوصیت اور بے تکلفی ہے اور ان کا قیام بھی قلیل ہو یا انکو انتظام میں دقت ہو تو ان کا کھانا مکان سے آتا ہے۔ گو میرا یہ دستور رواج کے خلاف ہے۔ لیکن اس میں طرفین کو راحت ہے۔ مہمان جب چاہیں اور جو چاہیں کھا پی سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قیام میں آزاد ہیں جتنا جی چاہے قیام کریں ورنہ بہت سے غیور طبع انسان بجائے پندرہ یوم کے پانچ یوم بھی نہ ٹھہر سکتے۔ یوں کہتے کہ مفت کی روٹیاں کھانا یا بار ڈالنا مناسب نہیں۔ نیز جلد جلد آنے کا ارادہ بھی نہ کر سکتے۔ اور ان باتوں سے ان کا دینی نقصان ہوتا۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ یہ خرخشے نہیں ہیں اور میں اس فکر سے آزاد ہوں کہ مہمانوں کے لئے کیا پکا اور کب پکا۔ کون مہمان موجود ہے۔ کون غائب ہے۔ کوئی پرہیزی کھانا تو نہیں کھاتا وغیرہ وغیرہ۔ اب جب اس اطمینان کے ساتھ میں دینی خدمات انجام دے سکتا ہوں مہمان نوازی کی صورت میں کہاں ممکن تھا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ مہمان بھی بڑی تعداد میں بکثرت آتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا ایک مرتبہ مدارس عربیہ کی

تعطیلات کے زمانہ میں اسی مہمان جمع ہو گئے تھے۔جن میں اکثریت طلبہ کی تھی۔میں نے حافظ اعجاز احمد سے جو مہمانوں کو بقیمت کھانا کھلاتے ہیں کہہ دیا تھا کہ ہر طالب علم سے علیحدہ علیحدہ پوچھو کہ کتنا قیام کرنا چاہتے ہو اور تمہارے پاس دام کافی ہیں یا نہیں۔جس کے پاس خرچ نہ ہو اس کو میرے حساب میں برابر کھلاتے رہو دام میں دوں گا کیونکہ دام دینا آسان ہے انتظام مشکل ہے اتفاقاً اسی زمانہ میں مولوی محمد حسین صاحب تیتروں سے واپسی میں تھانہ بھون آئے۔انہوں نے طلبہ کے مجمع سے جو کہ عموماً ان کے شاگرد تھے فرمایا کہ تم لوگ کیسے لاپرواہو کہ مولانا پر اپنے کھانے کا بار ڈالتے ہو۔کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع مجھ کو بھی ہو گئی۔میں نے مولوی صاحب سے کہا آپ جانتے ہیں کہ میں عرف اور رسم و رواج کا پابند نہیں مجھ کو تنگی ہوتی میں خود انکار کر دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے معمولی خدمت کر سکتا ہو۔اور طلبہ تو بجائے میری اولاد کے ہیں ان کے حقوق تو اور زائد ہیں آپ کچھ نہ فرمائیں ان کو آزادی سے رہنے دیں۔

شاگرد اولاد کی طرح ہوتے ہیں

۶۱-فرمایا مجھ کو شاگردوں سے جتنی محبت ہے۔مریدین اور معتقدین سے اتنی نہیں۔شاگرد تو اولاد کی طرح ہوتے ہیں۔شاگردی اور استاذی کا تعلق نہایت مستحکم و پائیدار ہوتا ہے اور عقیدت کا تعلق اکثر نا قابل اعتبار۔ارادت کا تعلق ادنیٰ شبہ سے انسان قطع کر دیتا ہے لیکن شاگردی کا تعلق قطع نہیں کیا جاتا۔

احکام میں اکابر کی موافقت مطلوب ہے انتظام میں نہیں

۶۲-فرمایا مہمانوں کے متعلق ہمارے اکابر کا یہی معلول تھا کہ عموماً ان کے کھانے کا خود جو انتظام فرماتے تھے دام وغیرہ دینا ان کا معمول نہ تھا۔ہاں شاذ و نادر کبھی ایسا بھی ہوا ہے اور میری عادت انتظام کی مصالح سے معمولی اکابر کے خلاف ہے گو کھینچ تان کر اپنی اس عادت کو معمول اکابر کے موافق کرنا ممکن ہے کہ وہ بھی تو کبھی دام دے دیا کرتے تھے مگر یہ موافقت کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ یہ موافقت یہ ہوتی کہ میں بھی اکثر تو کھانے کا انتظام کیا کرتا اور گاہے گاہے یہ

سبیل شذوذ دامون کا انتظام بھی کر دیا کرتا۔ اور یہاں معاملہ اسکے برعکس ہے۔ معمول عادت غالبہ کا نام نہیں۔ باقی یہ ایک واقعی تحقیق ہے کہ ایسے امور میں خود موافقت ہی کی ضرورت نہیں کیونکہ اکابر کی موافقت احکام میں مطلوب ہے نہ کہ انتظام میں اور میں نے یہ طریقہ انتظاماً اختیار کیا ہے کہ طرفین کو مختلف تشویشات سے نجات ہوتی ہے۔ اور اس میں دینی و دنیوی مصالح حاصل ہوتے ہیں یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے ان معترضین پر کوئی اعتراض کرے کہ تمہارے بزرگوں نے تو حج بادبان والی کشتیوں میں کیا ہے۔ اور تم دخانی جہازوں میں حج کرتے ہو۔ یہ ان کے طریق اور معمول کے خلاف ہے تو کیا تم اپنے کو ان کا مخالف کہلا لوگے۔ اسی طرح آئندہ ہماری ذریت ہوائی جہاز پر حج کرنے لگے تو کیا ان کو یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ اپنے اکابر کے خلاف کرتے ہیں وہ ہوائی جہاز پر حج نہیں کیا کرتے تھے۔ دیکھئے اگر ایک بزرگ کا نظام الاوقات صبح سے شام کچھ اور ہو اور دوسرے آدمی کا کچھ اور تو کیا اسکو مخالفت سے تعبیر کرنا درست ہوگا۔ غرض یہ کلیہ ہر جگہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بزرگوں کا اتباع احکام میں ہوتا ہے۔ امور انتظامیہ میں ضروری نہیں بلکہ حالات و واقعات کے اختلاف جو مناسب ہوگا کیا جائے گا۔ ہاں حدود شریعت سے کسی حال میں تجاوز نہ ہونا چاہئے۔ باقی اس قسم کے اعتراضات کی بالکل پرواہ نہ کرنا چاہئے کہ یہ بات فلاں بزرگ کے معمول کے خلاف ہے اور وہ بات اس بزرگ کی عادت کے خلاف ہے۔

صبح ۱۰ بجے پنجشنبہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء لکھنؤ

بے تکلفی

۶۳- ایک تعلقہ دار صاحب زیارت کے لئے حاضر ہوئے حضرت کھڑے نہیں ہوئے اور فرمایا معاف کیجئے گا مجھ کو اٹھنے میں تکلف ہوتا ہے اس لئے بیٹھا رہا۔

لعن طعن سے ناگواری نہیں ہوتی

۶۴-فرمایا جب مجھ کو کوئی برا بھلا کہتا ہے۔لعن طعن کرتا ہے تو میں ناراض نہیں ہوتا بلکہ کہا کرتا ہوں کہ میری دنیا کی ساری عمر مفت خوری میں بسر ہوئی چنانچہ زمانہ تعلیم تک بلکہ بعد تک بھی والد صاحبؒ کفیل تھے اسکے بعد دوستوں کے تحفوں اور ہدیوں سے کام چلا امید ہے کہ اسی طرح جنت بھی مفت ہی مل جائیگی۔ کیونکہ مجھ سے تو اعمال صالحہ ہوتے ہی نہیں۔انشاءاللہ تعالیٰ دوسروں کی نیک کمائی دخول جنت کا سبب ہو جائے گی۔ جو لوگ سب وشتم کرتے ہیں۔غیبت و بہتان طرازی سے کام لیتے ہیں۔وہ فی الحقیقۃ مجھ کو حسنات اور نیکیاں دیتے ہیں سو ناراضی کی کیا وجہ

کانگریس اور مسلم لیگ

۶۵-ایک تذکرہ پر فرمایا۔ میں نے جو اعلان شائع کیا ہے اسمیں مسلم لیگ کی حمایت کی ہے۔ مگر صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں جماعتیں قابل اصلاح بلکہ واجب الاصلاح ہیں ہاں مسلم لیگ نسبتاً کانگریس سے اچھی ہے۔اور بہت اچھی ہے۔لہذا اس میں اصلاح اور درستی کی نیت سے شریک ہونا چاہئے۔میں کانگریس کو اندھے کے مشابہ سمجھتا ہوں اور مسلم لیگ کو کانے کی مشابہ اور ظاہر ہے کہ اندھے پر کانے کو ترجیح ہوگی مثلاً اگر کسی کو نوکر رکھنے کی ضرورت ہو اور اتفاقاً دو نوکر ملیں ایک اندھا ایک کانا۔اب فرمایئے وہ کس کو نوکر رکھے گا اندھے کو یا کانے کو یقیناً کانے ہی کو ملازم رکھے گا بس اسی بناء پر میں مسلم لیگ کا حامی ہوں۔

شرعیات میں لیڈروں کو دخل نہیں دینا چاہئے۔

۶۶-جس زمانہ میں کانگریس مسلم لیگ سے مفاہمت کی گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے ایک خط مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح کو اس مضمون کا لکھا تھا کہ مفاہمت میں چونکہ مسلمانوں کے امور دینیہ کی حفاظت اہم اور بہت ضروری ہے۔اسلئے شرعیات میں آپ اپنی رائے کا بالکل دخل نہ دیں۔بلکہ علماء محققین سے پوچھ کر عمل فرمائیں۔انہوں نے نہایت شرافت وتہذیب سے جواب لکھا اور اطمینان دلایا کہ اسی ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

تبرّ ابازی

۶۷-فرمایا کانپور میں ایک شیعی نے اپنی مذہبی مجلس منعقد کی اور اس میں حضرات صحابہ اور اکابر سلف کے ساتھ زندہ مشہور سنیوں پر بھی تبرا کیا۔ اس مجلس کے متعلق ایک سنی منصرم نے واقعہ سن کر بانی مجلس سے کہا افسوس ہے کہ آپ کی مجلس میں اس قسم کا تبرا کیا گیا۔ وہ فوراً حسب عادت قسم کھا کر بولے کہ منصرم صاحب واللہ آپ پر بالکل تبرا نہیں کیا گیا۔ منصرم صاحب نے فرمایا اب تو مجھے اور زیادہ شکایت ہے کہ مجھ کو سنی نہیں خیال کیا گیا اور مجھ پر نہیں کیا گیا۔ تو اس کا کھلا ہوا یہی مطلب ہے کہ مجھ کو اہلسنۃ والجماعۃ کے زمرہ سے علیحدہ سمجھا گیا۔

اختلافِ مسلک منافی محبت نہیں

۶۸- فرمایا مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری مشہور ادیب کا مشرب ہمارے اکابر کے مسلک معتدل سے کسی قدر جدا تھا۔ لیکن باوجود اس کے ان کو ہمارے اکابر سے بہت محبت تھی۔ دیکھئے پہلے بزرگوں میں اختلاف مشرب و مسلک کے ساتھ بھی باہمی تعلقات خوشگوار ہوتے تھے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے تھے اور ایک آج کل کے لوگ ہیں کہ اتحاد مشرب و مسلک کے باوجود بھی آپس میں محبت نہیں تعلقات میں شگفتگی نہیں۔

دیکھنا رشک اس کی محفل کا ایک کو ایک کھائے جاتا ہے

مولانا فیض الحسن صاحب ہمارے اکابر کے باہم اختلاف و اتفاق پر مزاحا فرمایا کرتے تھے ان وہابیوں میں اتفاق و اتحاد بہت ہے اور یہ سب برکت ان بڑے میاں کی ہے۔ یعنی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کی۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مولانا فیض الحسن صاحب سماع پر بھی نکیر نہ کرتے تھے اسکے علاوہ بعض دوسرے مسائل میں بھی ہمارے اکابر اور ان کا اختلاف تھا مگر ہمارے بزرگوں کی رائے ان کے متعلق اچھی تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے ان کے متعلق دریافت کیا گیا۔ مولانا نے فرمایا بھائی مولوی فیض الحسن کا ظاہر برا ہے اور باطن اچھا ہے اور ہمارا باطن برا ہے اور ظاہر اچھا ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا میں نے مولانا فیض الحسن صاحب کے داماد سے سنا ہے کہ ان کی وفات کے بعد مسلسل ایک ماہ تک اس جگہ سے جہاں وفات ہوئی تھی بہت عمدہ خوشبو آتی رہی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے کسی نے اسکا تذکرہ کیا تو فرمایا مجھے معلوم ہے کہ لڑکپن سے ہر شب جمعہ میں فجر تک درود شریف پڑھا کرتے تھے ایک لمحہ کو نہ سوتے تھے اور اخیر عمر تک اس معمول کو نبھایا۔ مولانا فیض الحسن صاحب سب سے بے تکلف تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے والد شیخ اسد علی صاحب کھیتی کیا کرتے تھے۔ آپ نے ایک دفعہ کہا ارے اسد علی کے بیٹے تجھے مولوی کس نے کر دیا۔ تیرے پاس تو دو بیل ہوتے اور ان کے کندھوں پر تیرے ہاتھ ہوتے اور جنگل میں تِک تِک بڑ بڑ کرتا پھرتا حضرت مولانا نے فوراً ہی ایک ہاتھ مولوی فیض صاحب کے کندھے پر رکھ کر فرمایا کہ ایک تو مل گیا ہے دوسرے کی تلاش میں ہوں وہ بھی مل جاوے تو یہی کام کیا کروں گا۔ مولانا فیض الحسن صاحب بہت ذہین تھے مگر اس وقت کوئی جواب نہ بن پڑا اور خاموش ہو گئے۔ حضرت مولانا ہی کا کام تھا کہ ان کو خاموش کر دیا ورنہ وہ کسی سے چپ ہونے والے نہ تھے۔ ان بزرگوں کا اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے سے تھا باقی ہنسنا بولنا مزاح باہم خوب رہتا تھا۔ مولانا فیض الحسن صاحب بے باک تو تھے ہی۔ حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ سے بیعت ہونے کو جی چاہتا ہے مگر دو شرطیں ہیں اول یہ کہ کبھی خط و کتابت نہ کروں گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ نذرانہ کبھی نہ دوں گا دیکھئے پیر سے بھی ایسی گفتگو کی۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا جتنی شرطیں کرو سب منظور ہیں۔

مولانا فیض الحسن صاحب حضرت کے عاشق تھے اور عشاق کے لئے ظاہری ادب کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ عارف رومیؒ اسی کے متعلق فرماتے ہیں۔

گفتگوئے عاشقاں در کار رب　　جوشش عشق ست نے ترک ادب

باادب ترنیست زوکس در جہان　　باادب ترنیست زوکس در نہان

شعراء محبوب کو ظالم ستمگر جفا کار۔ قاتل سفاک وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں کیا یہ بے ادبی ہے عاشق صادق ظاہراً کچھ معاملہ کرے مگر بوقت ضرورت جان دینے والا اس کے سوا کوئی دوسرا

نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں ایک حکایت ہے کہ کوئی عاشق محبوب سے اپنا حال زبوں بیان کر رہا تھا کہ میں نے تمہارے عشق میں یہ یہ کیا۔ اس پر محبوب نے کہا کہ سب کچھ کیا مگر اصلی حق محبت کا ادا نہ کیا یعنی جان نہ دی یہ سن کر یہ عاشق گرا اور گرتے ہی ختم ہو گیا۔

رندی

۶۹- فرمایا مولوی بقاء اللہ صاحب وکیل قنوج والے بیان کرتے تھے کہ ایک شخص بظاہر رند تھے حضرت نے بطور جملہ معترضہ فرمایا۔ رند کہتے ہیں آزاد کو یعنی جو شخص عرفیات اور رسوم سے آزاد ہو، عبادات اور احکام شرعیہ سے آزادی مراد نہیں ایسے لوگوں کو عرفی ملامت کی ذرا پرواہ نہیں ہوتی باقی شرعی احکام کی کامل طور پر پابندی اور پیروی کرتے ہیں۔ بہر حال وہ رند مشرب بزرگ حج کو چلے مگر اس شان سے کہ راستہ میں کہیں رقص کرنے لگتے ہیں دف بجانے لگتے عام لوگ ان کو مسخرا سمجھتے تھے۔ اسی والہانہ انداز میں مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً پہنچ گئے۔ مسجد حرام کے انیس دروازے ہیں اور بعض دروازے ایسے ہیں کہ ان کے باہر سے ہی کعبہ شریف پر نظر پڑ جاتی ہے۔ خیر معلم طواف قدوم کے لئے لے چلا جب دروازہ کے قریب پہنچے تو مطوف نے کہا دیکھو وہ ہے کعبۃ اللہ ان کی نظر جیسے ہی کعبہ شریف پر پڑی بے ساختہ یہ شعر منہ سے نکلا ۔

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر کہ مباد بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

اور گر کر ختم ہو گئے۔

مذہب و سیاست

۷۰- آج کل ہر شے کی دو قسمیں ہیں۔ مذہبی و سیاسی۔ چنانچہ حلف بھی دو قسم کا ہے حلف مذہبی۔ حلف سیاسی حلف سیاسی دغابازی اور فریب کے لئے اٹھایا جاتا ہے۔ حلف مذہبی اپنے اندر صدق و دیانت رکھتا ہے۔ اسی طرح نماز روزہ بھی مذہبی و سیاسی ہوتا ہے۔ مذہبی نماز روزہ وہ ہے جو اخلاص سے ادا کیا جائے اور سیاسی نماز روزہ وہ ہے جو محض خدا پرست عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے عام مجلسوں میں کیا جائے۔ اس زمانہ میں سیاست نام ہے مکر فریب اور خداع کا۔ اور لطف یہ

ہے کہ ان حیاء سوز حرکتوں کو کمالات میں شمار کیا جاتا ہے۔ تعجب تو اس کا ہے کہ خداع اور مکر کمزوری کی مجبوری سے ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اب تو بڑی طاقتور سلطنتیں بھی ان کمالات سے متصف ہونا اپنا طغرائے امتیاز سمجھتی ہیں ان کی نظروں میں عہد و پیمان کی کچھ حقیقت نہیں حلف و سوگند کی کوئی وقعت نہیں۔

زبردستی

۱۷-فرمایا جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے ایک حاکم کو گفتگو کر کے ساکت کر دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تقریر میں تو مجھ کو ساکت کر دیا لیکن قلم تو میرے ہاتھ ہے۔ اسکا کیا تدارک کر سکو گے۔

آج کل ترقی کا مفہوم

۷۲-فرمایا آج کل ترقی کا ایک نیا مفہوم نکلا ہے کہ دوسروں کو بالکل صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے ان کا نام و نشان دنیا میں باقی نہ رہے۔ کوئی قوم دوسری قوم کو موجود دیکھنا نہیں چاہتی حالانکہ ترقی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ خود عمل کے میدان میں انتہائی جد و جہد اور پیہم سعی و کوشش کر کے دوسری قوموں سے آگے نکل جائیں نہ یہ کہ دوسری قوموں کو فناء کے گھاٹ اتار دیں بلکہ صحیح ترقی میں تو یہ بھی داخل ہے کہ خود برسر اقتدار ہو کر ضعیف اقوام کی کافی سے زائد رعایت و خبر گیری کی جائے۔

جد و جہد

۷۳-فرمایا انسان کا کام ہر شے میں کوشش و سعی اور جد و جہد کرنا ہے اگر خدانخواستہ ناکامی ہو تو صبر کرے اور عمل وکوشش کو نہ چھوڑے۔ ہم نتائج اور غایات کے ترتب کے مکلف اور ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ شرعی ہدایات کے مطابق کوشش میں لگے رہیں خواہ کامیابی ہو یا ناکامی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

دوست دارد دوست ایں آشفتگی کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی

دیکھئے اگر کوئی شخص بیماری میں مایوسی کی حالت تک پہنچ جاتا ہے تب بھی اسکی دوا دارو نہیں چھوڑی جاتی۔ سینہ میں بلکہ ناک میں دم آجاتا ہے مگر کوشش جاری رہتی ہے۔ تیمار دار اور اعزہ آرام سے نہیں بیٹھتے۔ بس یہی حال قوم کے ساتھ بھی ہونا چاہئے کہ اسکی خیر خواہی اور ترقی کے لئے اخیر دم تک کوشش میں لگا رہنا چاہئے اور اگر کسی کو قوم سے اس قدر تعلق نہیں ہے تو وہ محب قوم نہیں کہلا سکتا۔

نظم میں خط

۷۴- فرمایا ایک صاحب نے طریق باطن کی پریشانیوں سے متاثر ہو کر مثنوی شریف کی بحر میں منظوم خط مجھ کو لکھا تھا میں نے جواب دیا مثنوی ہی کا یہ شعر لکھ دیا جو سارے خط کا جواب ہو گیا۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی ــــ کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی

اپنی سی کوشش میں لگا رہے

۷۵- فرمایا ابھی میں نے بیان کیا کہ انسان کو کوشش وسعی میں لگا رہنا چاہئے خواہ نتیجہ مرتب ہو یا نہیں۔ اس پر مجھ کو ایک واقعہ یاد آیا۔ ۱۸۵۷ء کے مشہور ہنگامہ سے کچھ علماء علیحدہ بھی ہو رہے تھے اور بعضے شریک بھی ہو گئے گو انجام کار ان کو ناکامی ہوئی اسکے متعلق نانوتہ کے ایک شیعی مجتہد نے مولانا مظفر حسن صاحب پر طعن کیا کہ بھلا اس شورش سے کیا فائدہ ہوا۔ مولانا نے جواب میں سودا کا یہ قطعہ پڑھا۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن ــــ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز ــــ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی کسی نے اس قسم کا اعتراض کیا تھا تو حسب ذیل جواب عنایت فرمایا تھا۔ یہ جواب صوفیانہ ہے۔

سحر بلبل حکایت باصبا کرد ــــ کہ عشق گل بما دیدی چہا کرد

غلام ہمت آں نازنینم | کہ کار خیر بے روی وریا کرد
من از بیگانگاں ہرگز نالم | کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

مجاہدے کی برکات

۷۶- فرمایا شاہ غلام رسول صاحب کانپوری جن کا لقب رسول نما مشہور ہے ایسی برکت تھی کہ حالت بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادیتے تھے۔ سید حسن صاحب رسول نما کو بھی یہی کمال حاصل تھا وہ بھی بیداری ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادیتے تھے۔ مگر یہ بزرگ زیارت کرانے کے لئے دو ہزار روپیہ نقد لیتے تھے جو اس قدر روپیہ پیش کرتا تھا وہ ہی اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہوتا تھا۔ کسی نے حضرت حاجی صاحبؒ سے اس کی وجہ پوچھی کیونکہ ظاہراً دین کا معاوضہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ زیارت ایک قسم کا کشف ہے اور کشف کے لئے تصفیہ اور تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور تصفیہ میں عادۃً مجاہدہ لازمی ہے۔ اور فوری مجاہدہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اتنی بڑی رقم صرف کی جائے جو نفس پر گراں ہو سو وہ دو ہزار روپے اس لئے لیتے تھے کہ مجاہدہ سے تصفیہ قلب و تزکیہ نفس اور اس سے کشف کی قابلیت پیدا ہو جائے اسی وجہ سے وہ اس رقم میں سے اپنے لئے ایک بھی نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ سب فقراء و مساکین کو تقسیم کردیا کرتے تھے۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ نے جو یہ فرمایا کہ دو ہزار روپے لینے سے مقصود مجاہدہ کرانا تھا۔ خود روپیہ مقصود نہ تھا اسکی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے وہ بھی حضرت ہی نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے کہا مجھے بھی زیارت کرادو۔ فرمایا اچھا دو ہزار روپے لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس کہاں ہیں۔ پہلے تم مجھ کو دیدو پھر میں تم کو دیدوں گی۔ فرمایا نہیں اپنے ہی پاس سے دو۔ کیونکہ بیوی کی تجویز کردہ صورت میں اصل مقصود یعنی مجاہدہ کیسے ہوتا ان کے دل پر اس قسم کے دینے کا کچھ بھی اثر نہ ہوتا۔ اور جب مجاہدہ نہ ہوتا تو تصفیہ اور اس سے کشف کی قابلیت بھی پیدا نہ ہوتی اس لئے انکار کردیا۔ وہ بیچاری یہ صاف جواب سن کر بہت مغموم ہوئیں پھر فرمایا کہ اچھا ہم تمہاری خاطر سے ایک دوسری صورت دو ہزار روپے کے قائم مقام کئے دیتے

ہیں تم نہا دھو کر سرمی لگاؤ۔ اچھے کپڑے اور زیور پہنو بالکل دلہن بن جاؤ۔ وہ کہنے لگیں میں بوڑھی ہو کر یہ کام کیسے کروں اور دلہن کیسے بنوں اگر میں ایسا کروں تو غارت ہو جاؤں غرض عورتوں کی عادت کے موافق اپنے آپ کو بہت کچھ برا بھلا کہا۔ سید حسن صاحب نے فرمایا کہ اس کے سوا کوئی صورت نہیں اگر زیارت مقصود ہے تو ایسا ہی کرو ورنہ تم جانو۔ شوق عجب چیز ہے مجبوراً دلہن بن کر بیٹھیں۔ اور یہ باہر جا کر ان کے بھائی کو بلا لائے کہ دیکھو تمہاری بہن کو بڑھاپے میں کیا خبط سوجھا ہے وہ لاحول پڑھ کر چلے گئے بس انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ روتے روتے بے ہوش ہو گئیں کہ انہوں نے مجھ کو بھائی کے سامنے کیسا رسوا کیا۔ جب بے ہوش ہو گئیں اس حالت میں ان کی طرف توجہ فرمائی اور زیارت کرا دی۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رقم لینے سے مقصود صرف مجاہدہ تھا اور چونکہ بیوی میں مجاہدہ کی یہ صورت ناممکن تھی اس لئے ان سے رونے کا مجاہدہ کرایا۔

استخارہ کی حقیقت

۷۷- فرمایا ایک بزرگ مولانا ابو الحسن صاحب لکھنوی نقشبندی تھے یہی شاہ غلام رسول صاحب ان سے بیعت ہونے کے لئے تشریف لے گئے چونکہ حضرات نقشبندیہ میں معمول ہے کہ بیعت سے قبل استخارہ کراتے ہیں اس لئے انہوں نے بھی شاہ صاحب سے فرمایا کہ استخارہ کر لیجئے حضرت نے بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ استخارہ میں ضروری چیز دو رکعت نماز اور دعائے استخارہ ہے باقی سونا اور خواب کا دیکھنا ہرگز شرط نہیں۔ یہ سب کچھ عوام نے تصنیف کر رکھا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات استخارہ کا اثر خواب کی شکل میں بھی ظاہر ہو جاوے لیکن اسمیں اشتراط بالکل نہیں۔

غرض شاہ صاحب یہ سن کر اٹھ گئے اور تھوڑی دیر میں واپس آ کر عرض کیا کہ حضرت استخارہ کر لیا انہوں نے فرمایا کہ اتنی جلدی استخارہ کیسے کر لیا۔ وضو کب کیا نماز کب پڑھی اور دعا کب مانگی شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے استخارہ اس طرح کیا ہے کہ میں نے نفس سے پوچھا کہ تو بیعت ہونا چاہتا ہے بیعت کے معنی بکنے کے ہیں یعنی جو شخص کسی بزرگ سے بیعت ہوتا ہے وہ ان

بزرگ کے ہاتھ گویا بک جاتا ہے ان کا ہو جاتا ہے وہ من وجہ اس کے مالک ہو جاتے ہیں وہ جو چاہیں تصرف کریں اسکو چون وچرا کا حق نہیں رہتا۔ اگر وہ کہیں کہ رات بھر جاگو اور آنکھیں پھوڑو تو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ اگر وہ کہیں کہ ایک حد تک نہ کھاؤ نہ پیو یا کہیں کہ کم کھاؤ اور کم پیو تو یہی کرنا ہو گا۔ تو اے نفس کیا مرید ہو کر اس درجہ کی اطاعت وغلامی کرنا پڑے گی تو آزاد ہو کر غلام بننے کی کیا ضرورت۔ نفس نے جواب دیا یہ سب کچھ سہی مگر خدا تو ملے گا۔ یہ نعمت تو ایسی ہے کہ اگر جان دینے پر بھی حاصل ہو تب بھی ارزاں اور بہت ارزاں ہے۔ میں نے نفس سے کہا کہ اچھا اگر خدا نہ ملا تو کیا ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں اس نے جواب دیا اگر خدا نہ ملا تو میری بد قسمتی ہوگی مگر ان کو یہ تو معلوم ہوگا کہ فلاں شخص نے اپنی طرف سے ہماری جستجو اور تلاش کی تھی مگر ہم نہیں ملے جیسے کہا گیا ہے ۔

ہمینم بس کہ دانم ماہرویم　　　　کہ من نیز از خریداران اویم

نفس کی اس تقریر پر کوئی سوال نہ ہو سکا لہذا میں چلا آیا۔ ابوالحسن صاحب نے فرمایا کہ آپ کا استخارہ عجیب رہا اور بیعت کر لیا۔

مبلغین کا حصہ صرف تبلیغ ہونا چاہئے

۷۸- فرمایا مبلغین کو صرف تبلیغ میں سرگرم رہنا چاہئے۔ ثمرات ونتائج سے بالکل قطع نظر کر لیں جو کام اپنے کرنے کے ہیں اور اختیاری ہیں وہ کئے جائیں۔ ثمرات چونکہ اختیاری نہیں ہیں اور نہ انسان اس کا مکلف ہے اس لئے ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **من اهتدی فلنفسه و من ضل فانما یضل علیها و ما انت علیهم بوکیل** کہ جو ہدایت اختیار کرتا ہے اس کا نفع اسی کو ملے گا اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے اسکا ضرر وہی اٹھائے گا اور آپ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **انما انت نذیر ط والله علی کل شیٔ وکیل** اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کام تو انذار وتبلیغ ہے اور حقیقی کارساز تو خدا ہی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں **لست علیهم بمصیطر** یعنی

آپ خدائے عز وجل کی جانب سے ان پر مسلط نہیں کئے گئے جن کی طرف مبعوث ہوئے ہیں ان کو ضرور مومن ہی بنائیں یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے آپ کے اختیار میں صرف اس کی تبلیغ ہے کہ یہ کام مفید ہیں اور یہ مضر۔ اس قسم کی آیات اور احادیث بہت ہیں۔ ان سب کا یہی مطلب ہے کہ نتائج انسان کے قبضہ وقدرت میں نہیں۔ نہ انسان ان کا مکلف ہے انسان کو تو صرف کوشش کرنا چاہئے اور ثمرات کا معاملہ خدا کے سپرد کر دینا چاہئے۔

صبح ۹ ۱/۲ بجے جمعہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء لکھنؤ

مکان کی وسعت

۷۹- فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے الشوم فی ثلثة المرأة والدار والفرس او کمال قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ شراح حدیث نے شوم فی الدار کی ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ مکان تنگ ہو۔ ضرورتوں کے لئے کافی نہ ہو۔ تنگ مکان سے واقعی بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں وسعت مکان کی دعا بھی آئی ہے چنانچہ ارشاد ہے ''اللھم وسعتی فی داری'' یعنی اے اللہ مجھ کو مکان کے بارے میں وسعت دیجئے۔

نمائش وتناسب

۸۰- فرمایا عمارات میں اکثر بعض چیزیں بلاضرورت نمائش یا تناسب کے لئے بن جاتی ہیں اور بے جا اسراف ہوتا ہے اسی لئے میرا دل جدید تعمیر کرانے سے گھبراتا ہے۔

حرکات کی ناموزونیت

۸۱- فرمایا میں نامناسب حرکت وسکون اور غیر موزوں افعال واقوال پر روک ٹوک کرتا ہوں خصوصی جن باتوں سے کسی کو تکلیف ہو۔ ان پر دار وگیر کرتا ہوں مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو میرے طرز عمل سے تعجب ہوتا ہے کیونکہ نہ ان کو وہ اعمال ناموزوں معلوم ہوتے ہیں اور نہ وہ ایسے

امور سے کچھ تکلیف محسوس کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کا ادراک باطل یا ضعیف اور احساس مجروح کمزور ہوتا ہے وہ ناشائستہ حرکات سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں ۔ مگر ایسے لوگوں سے دوسروں کو بہت اذیت ہوتی ہے ۔

ضعف کی وجہ سے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے کا تحمل نہیں رہا

۸۲- ایک صاحب نے حضرت کی دعوت کرنا چاہی اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ حضرت کے ہمراہ چند احباب کو اور بھی مدعو کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا اب میں ضعف کی وجہ سے کسی کے ساتھ کھانے کا متحمل نہیں ہوں ۔ پہلے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا ۔ لیکن اب یہ معمول ترک کر دیا ہے ساتھ ساتھ کھانے سے یا تو پیٹ نہیں بھرتا یا زیادہ کھانا پڑتا ہے کیونکہ جلیس یا جلساء کی رعایت کرنا پڑتی ہے ۔ اس لئے ساتھ کھانے سے معذوری ہے ۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ہمارے قصبات میں عام عرف ہے کہ بیویاں شوہروں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی ہیں ۔ میں نے اس رسم کو توڑ دیا ہے ۔ دونوں گھروں میں ساتھ کھانا کھاتا ہوں ۔ چونکہ اپنے اہل سے بے تکلفی ہوتی ہے اس لئے تکلیف نہیں ہوتی نہ وقت کی پابندی نہ ساتھ دینا ضروری ۔ جب جی چاہا اور جتنا جی چاہا کھالیا ۔ مگر مہمانوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا فطری طور پر ان کی رعایت کی جاتی ہے اس لئے اب اسکا متحمل نہیں ۔

اسراف کی حقیقت

۸۳- ایک صاحب نے کہا کہ بعض مرتبہ آٹھ آنہ سیر برف لینا پڑتا ہے ۔ مگر کیا کروں عادت کی وجہ سے اس اسراف کو برداشت کرتا ہوں ۔ حضرت نے فرمایا جس کو عادت ہو اس کو آٹھ آنہ سیر برف خریدنا اسراف نہیں بلکہ اسکی ضروریات زندگی میں داخل ہے ۔

خانقاہ امدادیہ کا کنواں

۸۴- فرمایا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے کنویں کا پانی پہلے اس قدر شور تھا کہ وضو کے لوٹوں کو لونی لگ جایا کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے بلا کسی ظاہری سبب کے بالکل

شیریں کر دیا ہے اب شوریت کا کچھ بھی اثر نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا دیو بند میں ایک عجیب کنواں ہے۔ اس کے ایک طرف کے پانی سے تو دال گل جاتی ہے اور دوسری طرف کے پانی سے بالکل نہیں گلتی۔ بعض کنوئیں ایسے بھی سننے میں آئے ہیں کہ ایک طرف کا پانی کھاری اور ایک طرف کا میٹھا۔ یہ سب قدرت کے کرشمے ہیں۔

مسلمانوں کی بے استقلالی

۸۵- فرمایا مسلمان اپنی قوت سے کام نہیں لیتے۔ استقلال اور جم کر کوئی کام نہیں کرتے۔ بہت جلد پژمردہ اور بددل ہو جاتے ہیں اسی لئے ان کی تحریکات غیر مکمل اور ان کے اعمال ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہ بات دین کی کمی ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ جتنی دین میں کمی ہوگی اسی قدر بزدلی پیدا ہوگی۔ دل میں مطلوب طاقت صرف روحانیت و ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور دل کی طاقت ہی کا نام دلیری اور شجاعت ہے۔

صفائی معاملات دین کا ایک اہم جزو ہے

۸۶- فرمایا مجھ کو معاملات کی صفائی بہت پسند ہے۔ معاملات کی صفائی دین کا ایک اہم اور ضروری جزو ہے۔ اگر میں گھر والوں سے بھی کسی فوری ضرورت کے لئے کچھ قرض لے لیتا ہوں تو دوسرے وقت واپس کر دیتا ہوں اور وہ بھی لے لیتے ہیں۔ میں ان کے اس طرز عمل سے بہت خوش ہوں۔ میں نے کہہ رکھا ہے کہ جس کو جو مطالبہ میرے ذمہ ہو وہ یاد دلا دے۔ میں اس سے خوش ہوتا ہوں۔

پابندی معاملہ

۸۷- فرمایا انسان کو چاہئے معاملہ کے وقت تو اپنے آپ کو زیادہ پابند نہ کرے۔ اور بہت قیود و شروط کو قبول نہ کرے آزاد رہے ہاں جب عمل کا وقت آئے تو جتنا ممکن ہو مقید بنے اور بہتر سے بہتر طور پر کام کرلے۔ ہر بات کی رعایت رکھے۔

اپنی رضا کو بڑوں کی رضا پر قربان کردے

۸۸-فرمایا حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا۔ آپ نے قیمت ادا فرمائی۔ انہوں نے قبول کرلی۔ حقیقۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ امت کیلئے تعلیم ہے کہ معاملہ اس طرح کرنا چاہئے تاکہ راحت نصیب ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہرگز دام لینے کے مشتاق وخواہش مند نہ تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک کو اپنی خواہش پر ترجیح دی۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عموماً یہی عادت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کو اپنی تمام خواہشوں پر ترجیح دیتے تھے۔ جس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے یہ حضرات اسی حالت میں راضی رہتے تھے ؎

راضی ہوں میں اسی میں جس میں ہوں آپ راضی میری وہی خوشی ہے جو آپ کی خوشی ہے

معاملات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بے تکلفی

۸۹-فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ علیہم الرضوان کو بالکل بے تکلف کر رکھا تھا۔ ہر شخص شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے معاملہ اور رائے میں آزاد تھا۔ کوئی شخص دب کر معاملہ نہیں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی جن کے مزاج میں کسی قدر خوش طبعی تھی۔ ایک مجمع میں بات چیت کر کے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً ان کے پہلو میں ایک چھوٹی سی لکڑی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تھی چبھودی۔ انہوں نے کہا کہ میں انتقام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو انتقام لے لو۔ انہوں نے عرض کیا آپ تو پیراہن پہنے ہوئے ہیں اور میرے بدن میں پیراہن نہیں اور میں برہنہ ہوں (یعنی آپ بھی پیراہن اٹھائیے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اپنا پیراہن اوپر کو اٹھالیا۔ یہ دیکھ کر وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے اور پہلوئے مبارک کو بوسے دینے لگے اور عرض کیا میرا تو یہ مقصود تھا۔ (یعنی میری کیا مجال تھی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے کا وسوسہ بھی دل میں لاتا ہو۔ میرا مقصود تو یہ تھا کہ اس طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے اقدس کے چومنے کی

سعادت حاصل کرلوں) دیکھئے اگر معاملات میں صحابہ علیہم الرضوان کو آزادی نہ ہوتی تو وہ یہ لفظ کہ انتقام لوں گا کیسے زبان پر لا سکتے تھے۔ گو انہوں نے اسکو پہلو بوسی ہی کا حیلہ بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تو محتاج بیان ہی نہیں کہ کس طرح بے تکلف ان کے مطالبہ پر انتقام دینے کو تیار ہو گئے۔ سبحان اللہ

اسلام اخلاق نبوی سے پھیلا ہے

۹۰- فرمایا حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے پھیلا ہے نہ کہ شمشیر سے اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اسلام شمشیر سے پھیلا ہے تو یہ بتایا جائے کہ ان شمشیر زنوں پر کس نے شمشیر اٹھائی تھی (بعینہ یہی جواب بعض انگریز مصنفین نے بھی دیا ہے و نعم ما قیل

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ   یہ بھی کہیں کہ پھیلی خدائی بزور موت
۱۲ جامع

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بے تکلفی اور احترام

۹۱- فرمایا صحابہ علیہم الرضوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باوجود انتہائی بے تکلفی کے ادب بھی حد سے زیادہ کرتے تھے۔ اسی واسطے کفار مکہ کے تجربہ کار و معمر ایلچی نے صلح حدیبیہ میں صحابہ علیہم الرضوان کے ادب و احترام کی حالت دیکھ کر یہ رائے قائم کی تھی کہ تعظیم و تکریم کی یہ حالت میں نے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے دربار میں بھی نہیں دیکھی۔ اس ایلچی نے صحابہ علیہم الرضوان کی بہت سی خصوصیات شمار کرائی تھیں منجملہ ان کے یہ بھی کہا تھا لا یحدون النظر الیہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ٹکٹکی باندھ کر نہیں دیکھتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کسی نے ایک صحابہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک پوچھا فرمایا یہ اس شخص سے پوچھو جس نے چہرہ انور کو کبھی نظر بھر کر دیکھا ہو یعنی ہم کو کبھی یہ ہمت و جرأت نہیں ہوئی کہ روئے مبارک نظر جما کر دیکھیں اسی لطیف مضمون کو اہل حال نے خوب باندھا ہے

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود   کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

حضرت شاہ بوعلی قلندر صاحبؒ فرماتے ہیں:

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم ۔ گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

ان حضرات کا تو حال یہ تھا مگر ان صحابی کا مقام تھا۔

قلندر کے اصطلاحی معنی

۹۲- ایک صاحب نے قلندر کے اصطلاحی معنی دریافت کئے۔ حضرت نے فرمایا قلندر اصطلاح فن میں اس کو کہتے ہیں جو اعمال ظاہرہ میں تو تقلیل کرتا ہو یعنی فرائض واجبات اور سنتوں کے علاوہ نفل نماز، نفل روزہ حج وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہ کرتا ہو۔ اور اصلاح باطن اور اعمال قلب میں انہماک وشغف رکھتا ہو۔ باقی آج کل جو مشہور ہے کہ قلندر وہ ہے جو چہار ابرو کا صفایا کرائے بالکل لغو اور غلط ہے۔ بددین جاہلوں کی من گھڑت ہے۔ اس غلط شہرت کی وجہ سے لوگ پہلے بابرکت قلندروں کو بھی اس نمونہ کا خیال کرتے ہوں گے استغفر اللہ۔ حضرت شرف الدین قلندر بڑے عالم اور متبع شریعت تھے۔

ملامتیہ کون لوگ ہوتے ہیں

۹۳- ایک صاحب نے پوچھا کہ ملامتیہ کون لوگ ہیں فرمایا ملامتیہ وہ لوگ ہیں کہ اہتمام تو سب اعمال کا کرتے ہیں قلندروں کی طرح تقلیل نہیں کرتے لیکن اخفاء کے ساتھ کرتے ہیں اظہار سے احتراز کرتے ہیں اس اصطلاح کو لوگوں نے بگاڑ رکھا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ملامتیہ وہ ہیں جو علی الاعلان کبائر وصغائر کا ارتکاب کریں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پرواہ نہ کریں۔ ایک صاحب نے پوچھا کیا ملامتیہ فرائض وواجبات کا بھی اخفاء کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں ایسا اخفاء تو جائز نہیں جو امور شعائر اسلامیہ سے ہیں ان کا اخفاء تو ایمان کے اخفاء کے برابر ہے۔ یہ بھی حرام ہے وہ بھی حرام۔ یہ لوگ صرف نوافل کا اخفاء کرتے ہیں۔ قلندر میں اور ملامتی میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ نوافل کا زیادہ اہتمام ہی نہیں کرتا اور یہ اہتمام تو کرتا ہے مگر چھپا کر۔

بعد نماز جمعہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء لکھنؤ

ظرافت شہید، اور خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے کلام کی تعریف

۹۴- ایک مسلسل گفتگو کے دوران میں فرمایا شہید شاعر الہ آباد سے کانپور گئے۔ وہاں کے شعراء نے مشورہ کیا کہ مجلس مشاعرہ میں مشہور شاعر شہیدی کا کلام پڑھ کر اسکی خوب داد دی جائے تاکہ یہ شہید شرمندہ ہوں کہ یہاں میری قدر نہیں ہوئی۔ بلکہ شہیدی کی قدر ہوئی۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق ان کے سامنے شہیدی کا کلام مختلف لوگوں نے پڑھا اور خوب خوب تعریفیں کیں شہید تھے۔ بڑے ذہین ہر شخص کی تعریف پر شاعروں کے دستور کے مطابق آداب بجالاتے شکریہ ادا کرتے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے آداب عرض آداب عرض کی کیوں زحمت گوارا فرمائی۔ نہ یہ آپ کا کلام تھا نہ کسی نے آپ کو داد دی۔ انہوں نے کہا اس میں شک نہیں کہ یہ میرا کلام نہیں لیکن میری بی بی کا تو ہے۔ اور وہ یہاں موجود نہیں ہے اس لئے میرا فرض تھا کہ میں ان کی طرف سے آپ حضرات کی قدر دانی کا شکریہ ادا کروں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب جب اشعار پڑھتے ہیں تو مدہوش ہوجاتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا کلام واقعی کلام ہے۔ مسائل تصوف خوب بیان کرتے ہیں میں نے رائے دی تھی کہ ان کے کلام جمع کر کے شائع کرایا جائے اور جن اشعار میں مسائل تصوف کی طرف اشارہ ہے انکی بقدر ضرورت شرح بھی کر دی جائے۔

بعد عصر۔ جمعہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء مکان

مولانا عبدالباری صاحب ندوی لکھنؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت

۹۵- فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب کامل وہ شخص ہوسکتا ہے

جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل تشبہ ہو (گو کیفیت میں فرق عظیم ہوگا)

معاملات میں صفائی اور تیقظ ہو۔ اتباع کے لئے احتساب اور دارو گیر ہو۔ معاشرت سادہ اور پاکیزہ ہو مخلوق پر شفقت ہو۔ اگر یہ نہیں تو وہ نائب کامل نہ ہوگا۔

ترک دنیا

۹۶-فرمایا ایک دفعہ میں نے ایک بزرگ کے متعلق سنا کہ وہ روپے پیسے کو ہاتھ تک نہیں لگاتے ہیں گھر باہر کے انتظامی امور سے بالکل بے گانہ رہتے ہیں۔ خدام اس خدمت کو بجا لاتے ہیں۔ یہ حالات سن کر میرے دل میں خیال ہوا کہ ترک دنیا اور ترک تعلقات دنیویہ کا یہ درجہ بہت مستحسن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا کہ فوراً ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے تنبیہ ہوئی کہ یہ محض دھوکہ ہے وہ واقعہ یہ ہوا کہ گھر سے نیاز خان ملازم کو گیہوں اور پیسے دئے گئے کہ جلال آباد سے آٹا پسوا لاؤ۔ اس وقت تھانہ بھون میں آٹا پیسنے کے انجن نہیں تھے۔ نیاز خان معمول سے پیشتر آٹا لے کر آ گئے میں نے کہا کہ آٹا اتنی جلدی کیسے پس گیا۔ انہوں نے کہا کہ انجن والے نے کہا کہ وقت تنگ ہے اور آٹا دیر میں پسے گا۔ تم پسائی کے دام اور گیہوں دیدو اور پسا پسایا آٹا لے جاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے گھر والوں کو تاکید کر دی کہ اس آٹے کو علیحدہ رکھو یہ سودی معاملہ سے آیا ہے اور نیاز خان سے کہا کہ صبح کو جاؤ اس آٹے کو واپس کر دو اور اپنے گیہوں کو پسوا کر لاؤ۔ مجھ کو اس واقعہ سے تنبیہ ہوئی کہ اس طرح معاملات سے بے خبر ہونا درست نہیں۔ اگر واقعات کی کھود کرید نہ کی جائے تو نہ معلوم کیا سے کیا کھلا دیا جائے۔ اور معاملات میں شرعی حدود کی ہرگز رعایت نہ ہو سکے۔

ہر دینی کام میں شیخ سے استصواب کرنا چاہئے

۹۷-سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص مرید ہو جائے تو بلا اجازت شیخ وعظ و نصیحت اور امامت وغیرہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا جو شخص کسی سے بیعت ہو جائے اس کی مثال اس مریض جیسی ہے جو اپنے آپ کو کسی طبیب کے سپرد کر دے اور وہ اس کا علاج اپنے ہاتھ میں لے لے۔ تو جس طرح مریض کو ضروری ہے کہ اپنے خورد و نوش وغیرہ کے تمام حالات میں طبیب کی رائے لے۔ ایسے ہی مرید کو ضروری ہے کہ شیخ کی اجازت کے بغیر

کوئی نیا کام نہ کرے بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک کام بظاہر مستحسن اور مامور بہ معلوم ہوتا ہے مگر وہ مرید کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔ اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک مریض انگور، انار دیکھ کر ان کے کھانے کی تمنا کرتا ہے کیونکہ وہ انہیں مفید سمجھتا ہے اور زمانہ صحت میں ان کے مفید ہونے کا تجربہ کر چکا ہے تو جیسے اس مریض کو بلا مشورہ طبیب انگور، انار نہ کھانا چاہئے ایسے ہی مرید کو بلا مشورہ شیخ کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔ ہاں جو شخص کسی کے زیر تربیت نہ ہو وہ جن باتوں کو مستحسن سمجھتا ہو ان پر عمل کر سکتا ہے۔ جیسے کسی کا علاج شروع کرنے سے پہلے مریض کو اختیار ہے کہ جس غذا وغیرہ کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہو استعمال کرے اور جس طرح مریض کو علاج شروع کرنے کے بعد اپنے معالج کی رائے کے خلاف کرنا یا اس سے رائے نہ لینا خلاف اصول علاج ہے۔ اسی طرح مرید ہونے کے بعد شیخ کی رائے کے خلاف کرنا یا اس سے رائے نہ لینا خلاف طریق ہے۔

بعد مغرب شب شنبہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء مکان مولانا عبدالباری صاحب ندوی لکھنوی

ترقی کا صحیح راستہ

۹۸- فرمایا آج کل لوگ دن رات ترقی ترقی پکارتے ہیں مگر ترقی کا جو صحیح راستہ ہے اس سے دور ہوتے جاتے ہیں ان نام نہاد لیڈروں کے قلوب میں یہ خیال روز بروز راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی بھی انہیں اصول وضوابط سے ہو سکتی ہے۔ جن سے دوسری اقوام اس زمانہ میں ترقی کر رہی ہے حالانکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی حقیقی ترقی تو وہ ہے جس میں اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ دین کا بول بالا ہو۔ اسلام کا عروج ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ترقی اسلامی اصول وضوابط ہی کی پابندی سے ہو سکتی ہے۔ ان کو چھوڑ کر دوسرے اقوام کی پیروی سے مسلمانوں کی ترقی ناممکن ہے۔ غیر قوموں پر قیاس کرنا بالکل صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو دنیاوی دولت ہی کا نام ترقی ہے۔ مجھے لیڈروں کے اس قیاس پر ایک حکایت یاد آئی۔

کسی گاؤں میں ایک شخص تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا۔ جب اوپر پہنچا اور زمین پر نظر پڑی تو بہت نیچی اور دور معلوم ہوئی خود اترنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شور مچانا شروع کردیا کہ مجھے اتارو۔ لوگ جمع ہو گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح اتاریں اخیر میں گاؤں کے عقل مند جن کو بوجھ بجھکڑ کہتے تھے بلائے گئے دیکھ کر فرمانے لگے کہ ایک مضبوط سا رسا لاؤ اور اوپر پھینک دو۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی۔ پھر آپ نے اس شخص کو بلند آواز سے خطاب فرمایا کہ اس کو اپنی کمر میں اچھی طرح باندھ لو۔ بیچارے نے حکم کی بجاآوری کی اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ چند آدمی مل کر اس کو کھینچ لیں۔ چنانچہ وہ کھینچا گیا اور زمین پر گر کر مر گیا۔ لوگوں نے بوجھ بجھکڑ صاحب سے عرض کیا کہ حضور وہ تو ملک عدم پہنچ گیا۔ فرمایا ہم کیا کریں اس کی قسمت ورنہ ہم نے تو سینکڑوں آدمیوں کو اسی تدبیر سے کنویں سے نکالا ہے اور ایک بھی نہیں مرا تو جیسے اس مدعی عقل نے تاڑ سے اتارنے کو کنوئیں سے نکالنے پر محمول کیا ایسے ہی لیڈر مسلمانوں کی ترقی کو دیگر قوم کی ترقی پر قیاس کر رہے ہیں لیکن اگر مسلمان نے غیر مسلم کا طریقہ اختیار کیا تو اور گڑھے میں گرے گا اور رہی سہی بھی کھو بیٹھے گا۔ ہاں غیر مسلم اس طریقہ سے ترقی اختیار کر سکے گا۔ جیسا کہ یقین کیجئے مسلمانوں کی ترقی اور فلاح رضائے الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ بغیر رضائے الٰہی ہر قسم کی ترقی تنزل ہے۔ اور رضائے الٰہی کا حصول اسلام ہی کی پابندی پر موقوف ہے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ حتی الامکان احکام شرعیہ کی ظاہراً و باطناً پابندی کرے۔ خدائے عزوجل کے سامنے گریہ وزاری کرے نہ گڑگڑائے۔ اس طرز عمل سے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد مسلمانوں کی حالت روباصلاح ہونے لگے گی اور پھر ترقی مطلوب تک پہنچنا دشوار نہ رہے گا۔

شنبہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۸ء مکان مولوی محمد حسن صاحب
مالک انوار المطابع مولوی گنج لکھنؤ

آج کل علم وفضل کے معنی

۹۹-فرمایا آج کل جس کو ذرا بولنے کا سلیقہ ہو جائے اور دو چار تقریریں کر دے وہی عالم اجل

اور فاضل بے بدل بلکہ علامہ زماں اور فہامہ دوراں ہو جاتا ہے دیکھئے فلاں صاحب کو لوگ علامہ کہتے ہیں حالانکہ یہ شخص پکا غیر مقلد بلکہ بددین ہے۔ میں نے جو کچھ کہا اس پر اس کی فلاں تصنیف شاہد عدل ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ صرف مذہب اسلام ہی پر نجات موقوف نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو توحید کا اعتراف کرے اور نیک اعمال بجالائے خواہ کسی مشرب وملت کا ہو اسکی نجات ہو جائے گی خواہ رسالت کو مانے یا نہ مانے۔ گاندھی نے ایک جگہ کہا ہے کہ میرا خیال تھا کہ اسلام جیسا کامل مذہب ہرگز تنگ نظر نہ ہوگا کہ نجات کو صرف اپنے ہی میں منحصر سمجھتا ہو لیکن میرے اس خیال کی تائید اہل اسلام کی کسی کتاب سے نہ ہوتی تھی۔ مگر فلاں کی فلاں تصنیف سے معلوم ہو گیا کہ واقعی اسلام تنگ نظر مذہب نہیں اس کے اصول ایسے ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے ہر فرقہ کا شخص اپنے مشرب پر رہتے ہوئے ناجی ہو سکتا ہے۔

آج کل کے غیر مقلدین سے شکایت ہے

۱۰۰- فرمایا میں نے ایک جگہ بیان کیا تھا کہ ہم علی الاطلاق غیر مقلدین کو برا نہیں کہتے ہیں دیکھئے امام ابو حنیفہؒ خود مقلد نہ تھے مگر ہم نے ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں لیکن اس زمانہ کے اکثر غیر مقلدین کی بے شک ہم کو شکایت ہے ان میں عموماً الا ماشاء اللہ دو خصلتیں بہت بری ہیں ایک آئمہ کے ساتھ بدگمانی۔ دوسرے ان کی شان میں بدزبانی۔ باقی ہم نفس غیر مقلدی کو حرام نہیں کرتے۔ غیر مقلدی بھی ایک مسلک ہے۔ لیکن اس وقت کے مفاسد کو دیکھ کر ہم کو پسند نہیں۔ بہت سی چیزیں جائز ہوتی ہیں مگر بعض طبائع کے نزدیک ناپسند ہوتی ہیں مثلاً اوجھڑی شرعاً جائز ہے مگر نفیس مزاج ولطیف الطبع لوگ اس کو پسند نہیں کرتے "بل بعض الاشیاء المباحة البغض عند اللّٰہ ایضا فقد روی ای ابغض الحلال عند اللّٰہ الطلاق او کماقال" ۱۲ جامع

کانگریس میں دو قسم کے علماء شامل ہیں

۱۰۱- فرمایا کانگریس میں ایسے لوگ جن کو عوام الناس علماء کہتے ہیں۔ دو قسم کے ہیں ایک قسم کے تو وہ ہیں کہ تقریر اور مضمون نگاری کی وجہ سے مخصوص طبقہ میں مقبول ومشہور ہیں مگر شریعت کے

عالم نہیں۔ چونکہ یہ لوگ عالم نہیں اس لئے ان سے مسائل وغیرہ کے معاملہ میں زیادہ شکایت بھی نہیں کی جاسکتی۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو واقع میں پڑھے لکھے اور باقاعدہ عالم ہیں مگر فنافی الکانگریس ہو کر حدود شرعیہ سے متجاوز ہو گئے ہیں۔ انگریزوں کے بغض کی وجہ سے کانگریس کے ساتھ باہمہ وجوہ موافقت کرتے ہیں اور حدود و قیود کی بھی رعایت نہیں کرتے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے "احبب حبیبک ھونا ما عسی ان یکون بغیضک ھونا ما عسی ان یکون حبیبک یوما" یعنی محبت اور عداوت دونوں اعتدال سے ہونا چاہئے۔ ممکن ہے حالات پلٹا کھائیں۔ دوست دشمن بن جائیں اور دشمن دوست ہو جائیں یہ دوسری قسم کے لوگ صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر انگریز ہندوستان سے نکل جائیں گے تو تمام عالم کو سکون و آرام نصیب ہوگا۔ اس لئے ہم کو اپنی جان توڑ کر کوشش کرنا چاہئے خواہ ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں کا ایمان برباد ہو جائے۔ ہی اسی سلسلہ میں فرمایا بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ہم کانگریس کی شرکت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ کانگریس پر مسلمانوں کا قبضہ اور غلبہ ہو جائے۔ اگر واقعی یہی مقصود ہے تو اس مقصود کا حصول مسلم میں زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ مسلم لیگ والے اتباع کے لئے آمادہ ہیں۔ چنانچہ لیگ کے بڑے بڑے ارکان نے مجھے لکھا ہے کہ ہم حضرات علماء کی رائے کی اتباع کے لئے تیار ہیں اور کانگریسی تو خود اپنا تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں ان پر غلبہ پانا مشکل ہے۔ اب تو یہی صورت ہے کہ لیگ میں شرکت کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لائیں اور ناکارہ لوگوں کو نکال باہر کریں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ہندو ہرگز انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا نہیں چاہتے۔ ان کا نفع انگریزوں کے قیام ہی میں ہے۔ ان کا منشاء تو یہ ہے کہ انگریزوں کی نگرانی اور حفاظت میں دفتری و قانونی قدرت حاصل کر کے حکومت کریں۔

تحریک کا انجام

۱۰۴- فرمایا معلوم نہیں کہ ان تحریکات کا انجام کیا ہوگا۔ مگر مجھ کو ابھی امید ہے کہ انشاء اللہ خیر عظیم کا ظہور ہونے والا ہے۔ میں ابھی تک مایوس نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنات

کا اس وقت کا مقولہ جبکہ وہ اور شیاطین آسمان پر جاتے تھے تو ان پر ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے نقل فرماتے ہیں ''وانا لاندری اشر ارید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم'' یعنی ہم نہیں جانتے کہ اس نئے انتظام سے کیا ظہور پذیر ہوگا اس سے اہل زمین کو ضرر پہنچے گا یا اللہ تعالیٰ ان کو نفع پہنچانا چاہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ان تحریکات میں بھی دونوں احتمال ہیں گو جنات کا یہ مقولہ محل خیر میں تردد کا تھا اور میرا محل شر میں تردد کا ہے مگر میرا خیال وہی ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں میری دلی تمنا اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت عادلہ مسلمہ قائم فرمادے اور میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ میں نے عادلہ کی قید اس واسطے لگائی کہ سلطنت مسلمہ تو بحمدہ تعالیٰ آج کل بھی متعدد جگہ ہے۔ مگر عادلہ نہیں بلکہ سب کی حالت بے راہی کی ہے۔ امور شرعیہ کی پابندی نہیں موجودہ مسلم سلطنتوں میں نجدیوں کی سلطنت غنیمت سمجھی جاتی تھی۔ مسلمانوں کو ان سے بہت توقعات تھیں۔ کیونکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن وحدیث پر عامل ہیں۔ مگر انہوں نے ایسی لٹیا ڈبوئی ہے کہ خدا کی پناہ عیسائیوں کو حجاز کی سرزمین مقدس میں داخل کرلیا۔ اور ایک طویل مدت کے لئے ان کو ٹھیکہ دیدیا ہے ابن سعود نے اور یہ سب کچھ روپیہ کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ترکوں کے زمانہ میں کبھی ایسا نہ ہوا حالانکہ وہ بیچارے قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے مدعی بھی نہ تھے۔ اس ٹھیکہ کے نجام کی یقینی طور پر تو خبر نہیں مگر آثار اور حالات حاضرہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عرب کے بدویوں کے ایمان کا سخت خطرہ ہے کیونکہ عرب پہلے ہی ایک مفلس قوم ہے خصوصاً اعراب (بدوی) تو حد درجہ مفلوک الحال اور تنگدست ہیں اور آج کل تو ان کے افلاس میں اور اضافہ ہوگیا کیونکہ وہ پہلے حجاج کو اونٹ کرایہ پر دے دے کر کچھ کما لیتے تھے۔ اب موٹروں نے اس سلسلہ کو بھی قریب الختم کردیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بڑا آرام ہے بڑی راحت ہے یہ خیال نہیں کرتے کہ آرام وراحت صرف مسافروں کو ہے اور بیچارے سارے اعراب تباہ برباد ہورہے ہیں یہ خاک آرام ہے کہ معدودے چند تو راحت حاصل کریں اور لاکھوں خاک میں مل جائیں تو اب اندازہ کیجئے کہ ایسے مفلس افراد جن کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا ہو ستر ڈھانکنے کو کپڑا میسر نہیں آتا ہو جب عیسائیوں جیسی سرمایہ دار جماعت ان میں پہنچ جائے گی ان کو نوکر رکھے گی ان سے مزدوری

کرائے گی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ خدانخواستہ ان کو کچھ رقم کا لالچ دے کر اپنے مشن کی ترغیب دیں گے تو اسوقت ان کا کیا حشر ہوگا۔ سب کو معلوم ہو سکتا ہے خصوصاً اس حالت میں کہ ان عیسائیوں کی عادت ہے کہ اجنبی ملک میں پہنچ کر پہلے تو تجارت شروع کرتے ہیں پھر پادریوں کے ذریعہ سے نصرانیت کی اشاعت کرتے ہیں تو ان کا عرب میں جانا بظاہر سخت خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ خصوص آج کل فقر و فاقہ اور افلاس و تنگ دستی کی وجہ سے بکثرت ارتداد ہو رہا ہے۔ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی نے خوب بات کہی کہ آج کل کا مسلمان خوف سے متاثر نہیں ہوتا مگر طمع سے متاثر ہو جاتا ہے۔

خود کردہ را علاج نیست

۱۰۳- فرمایا سلطنت وقت نے ہندوؤں کو بہت بڑھایا چڑھایا تھا۔ اسی کا نتیجہ نظر آ رہا ہے تعجب یہ ہے کہ اس کا کچھ تدارک بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم کس شے کے منتظر ہیں۔

حضرت کا تفقہ

۱۰۴- فرمایا ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ ترمذی میں یہ حدیث ہے ''لن یغلب اثنا عشر الفا عن قلة'' (یعنی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر قلت تعداد کی وجہ سے کبھی دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب نہ ہوگا ۱۲) اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا حالانکہ ثابت ہے کہ بارہ ہزار کیا بارہ ہزار سے کہیں زائد تعداد کے لشکر شکست کھا گئے۔ حضرت مولانا کی برکت سے میرے ذہن میں فوراً جواب آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حدیث شریف کا مضمون بالکل بے غبار ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عن قلة فرمایا ہے کہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا۔ عن علة نہیں فرمایا کہ کسی اور سبب سے بھی مغلوب نہ ہوگا لہذا جہاں بارہ ہزار یا بارہ ہزار سے زائد کے لشکر شکست کھا گئے اس کی وجہ قلت نہیں بلکہ کوئی دوسری علت ہوگی۔ چنانچہ اس کی تائید کتب حدیث و تاریخ سے بھی ہوتی ہے بلکہ قرآن شریف میں بھی مسلمانوں کا غزوہ حنین میں اولاً مغلوب ہونا بالتصریح مذکور ہے۔ حالانکہ غزوہ حنین میں مسلمان

بارہ ہزار تھے لیکن پھر بھی اولاً مغلوب ہو گئے اور اسکی وجہ قلت نہیں تھی بلکہ ایک قلبی مرض یعنی خود پسندی و عجب تھا جسکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ ولقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم ''یعنی حق تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور غزوہ حنین میں بھی جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے''

حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو غزوہ حنین میں عجب و غرور پیدا ہو گیا تھا کہ ہم اتنے زائد ہیں۔ اسی عجب کی وجہ سے شکست ہوئی۔ اور جب اس گناہ سے توبہ کر لی اور معافی مانگ لی تو اسی میدان میں یہ ہزیمت خوردہ لشکر اسلام غالب آ گیا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ ثم انزل اللّٰہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنوداً لم تروھا ''یعنی شکست کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر اپنی خاص تسلی نازل فرمائی اور قلوب کی تقویت کے لئے فرشتوں کا لشکر بھیجا جو نظر نہیں آتا تھا۔۱۲

آج کل مادیت پرستی کا غلبہ ہے

۱۰۵- فرمایا آج کل لوگوں پر مادہ پرستی کا غلبہ ہے۔ مادی ہی ترقی کو ترقی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مادی اشیاء پر بہت زور دیا جاتا ہے اور ان پر ناز کیا جاتا ہے۔ لڑائی میں بھی مادی ہتھیار اور سامان جنگ کو نصرت کا سبب خیال کیا جاتا ہے۔ مالک حقیقی رب العلمین پر نظر نہیں کی جاتی۔ دیکھئے ابتدائے اسلام میں جتنے جہاد ہوئے ہیں ان میں عموماً کفار کے پاس ہر قسم کے ہتھیار کافی تعداد میں موجود تھے۔ اور مسلمان ان کے لحاظ سے بالکل بے سرو سامان اور تہید ست کہے جانے کے مستحق تھے۔ غزوہ بدر میں اسلامی لشکر کے پاس تلواریں صرف آٹھ تھیں گو نیزے وغیرہ اتنے کم نہ تھے۔ اور جنگ دست بدست ہوئی جس میں تلوار زیادہ کار آمد ہوتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کفار تعداد میں بھی مسلمانوں سے تین گنے تھے اور سب کے سب ہتھیار بند باوجود اس کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے منظور و مظفر فرمایا کامیابی و فتح مندی نے ان کے قدم چومے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سب غزوات میں کامیاب تر غزوہ بدر ہی کا ہے کیونکہ اس سے کفار کے حوصلے ہمیشہ کے لئے

پست ہو گئے تھے اور ان کی سطوت وشوکت ٹوٹ گئی تھی۔ تو اب غور کیجئے کیا یہ نصرت مادی ترقی کا نتیجہ تھی یا ایمان واخلاص کی برکت تھی۔ اسی سلسلہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی بھی فوج ہے یعنی فرشتے۔ جس کو نہ گھوڑوں کی حاجت ہوتی ہے نہ اسلحہ کی ضرورت نہ رسد کی محتاج ہوتی ہے نہ کمک کی منتظر۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اس فوج ظفر موج کے ذریعہ سے مسلمانوں کی نصرت فرما کر ظفر مندی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیتے ہیں اور اس فوج کے ذریعہ سے نصرت اب بھی ہوتی ہے اور بہت مرتبہ اس کا ظہور ہوا ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ لاکھ سے زیادہ تعداد میں ہندوؤں نے ضلع اعظم گڑھ میں مٹھی بھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس ناگہانی معرکہ میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی تھی۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ مقابلے کے وقت جہاں تک نظر جاتی تھی سبز پوش مسلح مسلمان ہی نظر آتے تھے یہ سب پوش لوگ غالباً فرشتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ملائکہ کی جماعت کو اپنے خاص بندوں کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کو صرف کفار پر ظاہر کر دیا مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا تا کہ وہ پوری ہمت سے جدوجہد کو جاری رکھیں اور ان کی شان توکل میں کمی نہ آنے پائے اور پھر آخرت میں اجر جزیل حاصل کریں اسی سلسلہ میں فرمایا نزول ملائکہ کا مدار تقویٰ پر ہے چنانچہ ارشاد ہے ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملئکۃ مسومین "یعنی اے مسلمانو اگر تم کفار کے مقابلہ میں استقلال سے کام لو گے اور متقی بنے رہو گے اور وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری امداد پانچ ہزار خاص وضع کے فرشتوں سے فرمائے گا"۔۱۲ جامع) آج کل لوگوں نے تقویٰ کو بے کار سمجھ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ تقویٰ اور فتح میں کیا مناسبت؟ حالانکہ مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ تقویٰ کی وجہ سے آسمانی نصرت شامل حال ہوتی ہے۔ جو واحد ذریعہ کامیابی کا ہے۔۱۲ جامع

دنیا کی ترقی سے بہت تعلق ہے

۱۰۶- فرمایا اس زمانہ کو تو تعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ دین کو ظاہری ترقی سے کیا تعلق ہے گویا

الفاظ دیگر دین کی پابندی کو دنیاوی ترقیات میں حائل سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی اس بے سروپا بات پر مجھ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا ہے کہ ایک طبیب نے بادشاہ کو امراض چشم کے لئے کف پا میں مہندی لگانے کو بتلایا اس پر خواجہ سرا صاحب سے صبر نہ ہوسکا۔ اور ناقدانہ انداز میں بولے کہ جناب حکیم صاحب کف پا اور چشم میں کیا تعلق ہے۔ طبیب نے فوراً منہ توڑ جواب دیا کہ کف پا اور چشم میں وہی تعلق ہے جو خصیتین اور داڑھی میں ہے یعنی یہ تو تجھے بھی تسلیم بلکہ مشاہدہ ہے۔ کہ اگر خصیے نکال دیئے جائیں تو داڑھی نہیں نکلتی ہے اور اس تعلق کو تو کھلی آنکھوں اپنے ہی ذات میں دیکھ رہا ہے تو کف پا و چشم کے تعلق پر کیوں اعتراض و تعجب ہے۔ تو جیسے خواجہ سرا صاحب کی سمجھ میں کف پا و چشم کا تعلق نہیں آیا تھا ایسے ہی ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سمجھ میں دین اور ترقی کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا۔ (حالانکہ یہ تعلق اس تعلق سے بہت زیادہ ظاہر ہے صدیوں تک مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ کفار نے بھی مشاہدہ کیا ہے کہ دین کی پابندی نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ادھر مسلمانوں نے دین کی پابندی چھوڑنا شروع کر دی ادھر ترقی نے مسلمانوں کا ساتھ دینا چھوڑ دیا۔ ۱۲ جامع) ان لوگوں کا یہی دستور ہے کہ جو بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی فوراً اس کا انکار کر دیتے ہیں صرف ظاہر اور مادہ پر ان کی نظر ہے باطن اور روحانیت سے بالکل غافل ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

عقل در اسباب می دارد نظر　　　عشق می گوید مسبب را نگر

مادیت پر بھروسہ

۱۰۷- فرمایا جو لوگ صرف ظاہر ساز و سامان پر نظر رکھتے ہیں اور کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ جانتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کونسا لاؤ لشکر اور ساز و سامان تھا اور فرعون جیسے متکبر و عظیم الشان بادشاہ کے پاس کس شے کی کمی تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کارساز حقیقی پر توکل کر کے اس کے ارشاد کے ماتحت فرعون سے مقابلہ کرنے جاتے ہیں اور اپنے ساتھ صرف اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو لے لیتے ہیں اور ان کو بھی اس خیال سے ساتھ

لیتے ہیں کہ وہ فصیح البیان ہیں اچھی شستہ تقریر کریں گے۔ اور میری تائید وتصدیق کریں گے۔ کیونکہ تائید سے دل بڑھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے ''فارسله معی ردا یصدقنی انی اخاف ان یکذبون (یعنی موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ہمراہ کردیجئے اور رسالت دے دیجئے تاکہ وہ بوقت ضرورت میری تائید وتصدیق کریں کیونکہ مجھ کو فرعون وغیرہ سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ مجھ کو جھٹلائیں ۱۲ جامع۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان کے خطرہ کی وجہ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ نہیں لیا تھا بلکہ ساتھ لینے کی وجہ یہ تھی کہ فرعون اور اسکی جماعت کی تکذیب سے طبیعت پژمردہ نہ ہو جائے اور بات کے زور میں کمی نہ آئے کیونکہ تصدیق و تائید سے دل بڑھتا ہے حوصلہ میں پستی اور ارادہ میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی ہے خود میری بھی یہی حالت ہے کہ اگر مجلس میں کوئی میری تائید کرتا رہتا ہے تو طبیعت شگفتہ رہتی ہے ورنہ پژمردگی چھا جاتی ہے دل مضمحل ہو جاتا ہے اور مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے عارف رومی فرماتے ہیں ؎

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول از رسالت باز می ماند رسول

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے کے لئے تنہا تیار ہو گئے صرف تائید کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر اسکے بھرے اور پر شوکت دربار میں پہنچ گئے۔ اور خوب کڑک کر بلا جھجکے گفتگو فرمائی فرعون کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان کو قتل کرادے یا گرفتار کرادے یا اور کوئی مقدمہ قائم کرادے۔ صرف زبانی گفتگو میں اتنا ضرور کہا انی لا ظنک یموسیٰ مسحورا (یعنی اے موسیٰ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کردیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ وانی لا ظنک یفوعون مثبورا (یعنی اے فرعون میرے خیال میں ضرور تری کمبختی کے دن آگئے ہیں) مگر باوجود اس جواب کے بھی فرعون کو اقدام قتل وغیرہ کی ہمت نہ ہوئی۔ اور کیسے ہوتی اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا ونجعل لکما سلطنا فلایصلون الیکما بایتنا انتما ومن اتبعکما الغلبون (یعنی اے موسیٰ وہارون علیہم السلام ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے تم پر ان لوگوں کو دسترس نہ ہوگی ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم

دونوں اور تمہارے پیرو ہی غالب ہوں گے)۔اب غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یہ قوت وشجاعت یہ ہمت وجرأت یہ سطوت وشوکت کس مادی سامان کی وجہ سے تھی۔ان کے پاس توپ و تفنگ نہ تھی۔ ہوائی جہاز اور تباہ کن گیس نہ تھے۔یہ قوت صرف حقانیت اور تعلق مع اللہ کی تھی یہ تقویٰ بجا آوری احکام خداوندگی کا ثمرہ تھا۔

تقویٰ کا غلبہ

۱۰۸-فرمایا فرعون نے نجومیوں اور کاہنوں کی پیشن گوئیوں پر اعتماد کر کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیا تھا کہ نہ کوئی بچہ بچے گا اور نہ سلطنت تباہ ہوگی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون ہی کے گھر پہنچادیا اور اسکی بیوی حضرت آسیہ کے دل میں ان کی محبت ڈال دی چنانچہ حضرت آسیہ ہی کی سفارش سے قتل ہونے سے بچ گئے۔اور ناز و نعمت میں فرعون کے بیٹے کی طرح پرورش پائی۔فرعون کے متبنیٰ ہو کر رہے۔پھر جوان ہو کر اس قبطی کے مرجانے پر جس کے تنبیہا ایک گھونسا مارا تھا فرعون کے قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے مدین تشریف لے گئے۔وہاں حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کی بیٹی سے نکاح ہوا وہاں سے واپسی پر کوہ طور پہنچ گئے اور رسالت ونبوت عطا ہوئی۔مصر پہنچے اور فرعون کی سلطنت کو تباہ و برباد کیا فرعون کی تدابیر لڑکوں کے قتل وغیرہ سب بے کار ثابت ہوئیں جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے فرعونی حکومت تباہی کے سامان بہم ہوں تو فرعون کی ظاہری قوتیں کیا کام کر سکتی تھیں اسی طرح تقویٰ سے اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوتا ہے اور سب مادی و طاغوتی طاقتیں حق تعالیٰ کے سامنے پاش پاش ہو جاتی ہیں تقویٰ کی وجہ سے ہر قسم کی فلاح بندہ کو نصیب ہوتی ہے اسی سلسلہ میں فرمایا قوت کی اصل روح تعلق مع اللہ ہی ہے۔دیکھئے اگر ضلع کا کلکٹر کسی کا حامی ومددگار ہو تو وہ کس قدر بے خوف اور جری ہو جاتا ہے اور اگر کمشنر سے بھی تعلق ہو تو قوت میں بھی دوسہ چند اضافہ ہو جاتا ہے گورنر وائسرائے اور بادشاہ کے تعلقات کو اسی پر قیاس کر لیجئے اور جس کا تعلق رب العلمین احکم الحاکمین سلطان السلاطین سے ہو اسکی طاقت کا کیا اندازہ ہو

سکتا ہے اب صرف یہ بات رہ گئی کہ تعلق مع اللہ کیسے حاصل ہو۔ سنئے تعلق مع اللہ تعالیٰ کے ظاہری وباطنی احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں گاندھی سے بہتر لیڈر موجود ہیں

۱۰۹- فرمایا ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ کیا مسلمانوں میں کوئی گاندھی جیسا سیاستداں مدبر نہیں کہ مسلمان اس کی پیروی کریں میں نے کہا یہ تو کوئی مشکل بات نہ تھی جس کو دریافت کرنے کی حاجت ہوتی اگر آپ ذرا بھی فکر سے کام لیتے تو سوال ہی کی ضرورت نہ پڑتی مجھ کو یقین بلکہ عین الیقین ہے کہ مسلمانوں میں ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں صرف گاندھی جیسے ہی نہیں بلکہ اس سے کہیں زائد موجود ہیں لیکن اگر مسلمان ان کی پیروی نہ کریں ان کی ہدایات کو تسلیم نہ کریں انکی کیا خطا ہے یہ تو مقتدیوں کی غلطی ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کے دل میں بھی ایک غیر مسلم کی اس قدر عظمت ہے کہ تمام عالم میں ان کو کوئی مسلمان اس کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ ایک ثقہ صورت مسلمان کا مضمون میں نے خود اخبار میں پڑھا ہے۔ کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا استغفر اللہ کچھ انتہا بھی ہے اس کفر پروری کی ان بزرگ کے نزدیک نبوت ایک ایسی ارزاں اور بے وقت چیز ہے کہ اس میں اللہ اور اسکی صفات ملائکہ کتب، رسل حشر، نشر، دوزخ، جنت کسی شے پر ایمان لانا شرط نہیں صرف ختم نبوت مانع ہوگئی۔ یہ جہالت اور بدتمیزی کا نتیجہ ہے کفار کے ساتھ میل جول اور قلبی تعلقات رکھنے کا

اسی سلسلہ میں فرمایا ایک عالم صاحب نے ایک کتاب میں لکھا کہ انبیاء کی کامیابی کا راز ان کے استقلال میں مضمر ہے جس کی زندہ نظیر گاندھی موجود ہے۔ مؤلف صاحب نے یہ کتاب مجھ کو ہدیۃً بھیجی تھی۔ میں نے اس مقام کو دیکھنے کے بعد یہ لکھ کر واپس کر دی کہ جس کتاب میں مکذب رسالت کی ایسی تعریف وتوصیف ہو میں اس کو اپنے ملک میں نہیں رکھنا چاہتا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے اس مطبع کو جس میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے لکھا تھا کہ اس مضمون کا رد شائع کردو، لیکن اہل مطبع نے اسے قبول نہیں کیا۔ میرے نزدیک یہ عذر نہایت کمزور ہے کیا مؤلف صاحب

صرف مطبع کو لکھ کر اس فریضہ رجوع سے سبکدوش ہوگئے جو ان کے ذمہ شرعاً عائد ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر وہ مطبع شائع نہیں کرتا ہے تو کسی اور ذریعہ سے شائع کریں کیا اظہار غلطی کا ذریعہ صرف وہی مطبع ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ فلاں درس گاہ کے شیخ التفسیر بیعت ہونا چاہتے ہیں میں نے لکھ دیا کہ جب تک آپ اپنی غلط اور خلاف شرع تفسیر سے رجوع نہیں کریں گے میں آپ کی خدمت نہیں کر سکتا۔ انہوں نے لکھا کہ اگر نفع رجوع ہی پر موقوف ہے تو میں رجوع کرتا ہوں اس پر میں نے لکھا کہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس تفسیر کو حق سمجھتے ہوئے بامید نفع رجوع کرتا ہوں حالانکہ وہ تفسیر اغلاط واباطیل پر مشتمل ہے۔ اس سے رجوع واجب ہے خواہ اور کوئی نفع ہو یا نہ ہو۔ اس کے جواب میں آج خط آیا ہے کہ میں رجوع کا مسودہ بھیجتا ہوں آپ اصلاح بھی فرما دیں اور جس طرح مناسب ہو چھپوا کر شائع بھی فرما دیں میں نے مسودہ میں چند اصطلاحات کر دی ہیں۔ مثلاً انہوں نے لکھا تھا کہ مجھ سے دانستہ تفسیر میں غلطیاں ہوگئی ہیں میں نے اس کو کاٹ کر لکھ دیا ہے کہ وہ غلطیاں اہل زیغ کی صحبت کا اثر ہے اور ان کا یہ لکھنا کہ چھپوا کر شائع کر دو مجھ کو ناگوار ہوا۔ اس کا جواب میں نے لکھا ہے مجھ کو چھپوانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ہی کی مصلحت ہے آپ ہی انتفاع چاہتے ہیں آپ خود چھپوا کر شائع کیجئے یا نہ کیجئے انہوں نے ایک خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے اپنی تفسیر کی غلطیاں معلوم کر کے آئندہ کے لئے اس کی اشاعت وطباعت بند کر دی ہے۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ تو آئندہ کا تدارک ہوا۔ اور جو گذشتہ اشاعت سے نقصان پہنچ چکا اور پہنچ رہا ہے اس کی تلافی بجز اعلان رجوع کے اور کسی طریقہ سے نہیں ہو سکتی۔ میں ان کی ہمت کی داد دیتا ہوں کہ رجوع پر آمادہ ہوگئے جب طلب صادق ہوتی ہے تو یہی حالت ہوتی ہے۔ (اس قسم کا ایک ملفوظ پچھلے صفحات میں بھی گزر چکا ہے مگر چونکہ اس میں بعض فوائد زیادہ تھے اس لئے یہاں بھی نقل کرنے کی سعادت حاصل کی گئی۔ ان مفسر صاحب نے اس رجوع کو شائع فرما دیا ہے۔ ۱۲ جامع۔

قرآن پاک میں اجتہاد

۱۱۰- فرمایا فلاں مفسر صاحب نے تفسیر میں بہت گڑ بڑ کر رکھی ہے۔ چنانچہ پارہ دوم کی آیت ''وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم'' سے استنباط کیا ہے کہ باہر کے آدمیوں کو بلا کر نہر کھدوانا جائز ہے دیکھ لیجئے کیا لطیف استنباط ہے۔ اگر اس قسم کے اجتہاد و استنباط جائز ہوں تو دین سے امن ہی اٹھ جائے (اس سلسلہ میں حضرت کا رسالہ التقصیر فی التفسیر قابل دید ہے ۱۲)

تبلیغ اسلام صوفیانہ رنگ میں

۱۱۱- فرمایا میں اپنی جانب سے خاص اہتمام کرتا ہوں کہ میرے قول سے فعل سے کسی کو گرانی و ناگواری نہ ہو۔ ایک سن رسیدہ ہندو قریب ہی زمانہ میں تھانہ بھون آیا تھا اس نے بعض تصوف کے مسائل دریافت کئے میں نے جوابات دیئے بہت محظوظ ہوا۔ اطمینان ظاہر کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا کہ یہ تو جواب کا درجہ اور علمی تحقیق تھی اور چونکہ آپ نے یہ سلسلہ چھیڑا ہے اس لئے میرا فرض ہے کہ میں جواب سے ہر پہلو کی تکمیل کر دوں۔ اگر آپ یہ سلسلہ نہ چھیڑتے تو میں از خود اس کی ابتداء نہیں کرتا خیر علمی تحقیق تو آپ نے سن لی اب یہ اور سمجھ لیجئے کہ جس طرح ہر مقصود کے حصول کے لئے کچھ شرائط ہوتی ہیں اسی طرح ان حقائق کے حصول کے لئے اسلام شرط ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا ایک مرتبہ جلال آباد میں وعظ ہوا وہاں کے ایک ہندو رئیس جن کو فارسی دانی کا بھی دعویٰ تھی اور ان کے چند انگریزی دان مہمان بھی وعظ میں شریک تھے۔ سب کے سب بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد ذکر و شغل کی تعلیم کے متعلق ان رئیس صاحب کے چند خطوط آئے میں نے خیال کیا کہ اب ان سے صاف بات کرنا مناسب ہے چنانچہ صاف لکھ دیا کہ ہم کو جو تصوف پہنچا ہے اسکے لئے اسلام شرط ہے۔ بغیر اسلام کے نفع نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد ان کا کوئی خط نہیں آیا اور سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ میں نے یہ مصلحت ان دونوں واقعوں میں صوفیانہ رنگ میں اسلام کی تبلیغ کی تا کہ وحشت نہ ہو۔

بعض ہندوؤں میں بھی سلیم الطبع ہوتے ہیں

۱۱۲-فرمایا بعض ہندو بھی بہت دانش مند اور ہوشیار ہوتے ہیں مگر چونکہ توفیق ایزدی شامل حال نہیں ہوتی اس لیئے دانش مندی اور ہوشیاری کچھ کام نہیں آتی اور اسلام جیسی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ایک مرتبہ تھانہ بھون سے لکھنؤ جارہا تھا۔ میں تھانہ بھون کے اسٹیشن پر جس گاڑی میں سوار ہورہا تھا اس گاڑی سے ایک طالب علم جو میری ملاقات کے لیئے آئے تھے اسٹیشن پر اترے ان سے وہیں ملاقات ہوئی اور ظاہر کیا کہ میں کیوں آیا ہوں میں نے کہا اگر تم سہارنپور تک چل سکو تو راستہ میں تفصیلی اور طویل ملاقات ہوسکتی ہے۔ ورنہ میں تو اس گاڑی سے جارہا ہوں وہ فوراً تیار ہوگئے لیکن ٹکٹ نہ مل سکا وہ میرے مشورے سے گارڈ کو اطلاع کر کے ریل میں سوار ہوگئے ۔اگلے اسٹیشن نانوتہ پر ٹکٹ بنوائے گئے گارڈ نے نانوتہ سے سہارنپور تک کا ٹکٹ بنوادیا۔او رکہا چونکہ تم غریب آدمی ہو اس لیئے تھانہ بھون سے نانوتہ تک کا کرایہ معاف ۔انہوں نے آ کر یہ قصہ مجھ سے نقل کیا میں نے کہا کہ تم اس دھوکہ میں نہ آنا بلکہ تم اتنی ہی قیمت کا ٹکٹ اسی لائن کے کسی اسٹیشن سے خرید کر پھاڑ دینا تاکہ محصول ادا ہوجائے ۔اورآخرت کا کوئی مطالبہ تمارے ذمہ باقی نہ رہے ۔کیونکہ یہ گاڑی گارڈ کی نہیں ہے کہ وہ معاف کر سکے ۔گاڑی کمپنی کی ہے گارڈ کے خلاف منصب معاف کرنے سے کرایہ معاف نہیں ہوا اور حق العبد اسی طرح باقی ہے ۔انہوں نے کہا بہت اچھا میں اس قیمت کا ٹکٹ لے کر چاک کردوں گا میری اور طالب علم کی اس گفتگو کو چند ہندو غور سے سن رہے تھے جب گفتگو ختم ہوگئی تو ایک سنجیدہ ہندو کہنے لگا کہ میں آپ سے اپنی ایک کوتاہی بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب ان طالب علم نے یہ کہا تھا کہ اتنا کرایہ معاف ہوگیا تو میں خوش ہوا تھا کہ اچھا ہوا غریب کا بھلا ہوگیا ۔مگر آپ کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ خوشی بے ایمانی کی تھی ۔اور سراسر نفس کا دھوکہ تھا ۔میں نے اسکی سلامت فہم اور حق گوئی کی تعریف میں چند کلمات کہہ کر دل جوئی کی اور بات ختم ہوگئی اور میں اپنے رفقاء سے مختلف باتیں کرنے لگا ان ہندوؤں میں ایک بوڑھا شخص بھی تھا وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ معلوم نہیں ان لوگوں کی معمولی باتوں

میں بھی ایک خاص کشش ہے۔ایک ہندو نے جواب دیا کہ سچی باتوں میں ایسی ہی کشش ہوتی ہے۔یہ گفتگو میں نے خود نہیں سنی۔ بلکہ میرے ساتھیوں نے مجھ سے بیان کی۔خیر تھوڑی دیر کے بعد وہی پہلا ہندو میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں کچھ پوچھ سکتا ہوں میں نے کہا شوق سے پوچھئے اگر معلوم ہو گا بتادوں گا ورنہ عذر کروں گا اسکے بعد جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا اور میرا یہی معمول ہے کہ اگر صحیح جواب معلوم ہوتا ہے تو سائل کو بتا دیتا ہوں ورنہ کہہ دیتا ہوں کہ مجھ کو معلوم نہیں کسی اور سے دریافت کر لیا جائے۔خیر اس ہندو نے دریافت کیا کہ ایک مسلمان کوئی نیک کام کرتا ہے۔اور وہی ایک غیر مسلم بھی کرتا ہے اور دونوں میں باہم ہر باب میں تساوی ہے صرف فرق یہی ہے کہ ایک مسلمان ہے اور دوسرا غیر مسلم تو ان دونوں کو اجر و ثواب برابر ملے گا یا نہیں اس سوال کا جواب بالکل ظاہر تھا کہ اعمال خیر پر اجر و ثواب ملنے کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ مشروط فرمایا ہے اور کفر کو مانع۔تو جب تک شرط کا وجود نہ ہوا اور مانع مرتفع نہ ہوا اجر و ثواب بھی نہیں ملے گا۔ لہذا کفار اعمال خیر پر اجر و ثواب ملنے کے مستحق نہ ہوں گے۔گو یہ جواب ظاہر تھا لیکن میں نے سارا بوجھ سائل ہی کے سر پر رکھنا چاہا اور دوسرے طریق سے جواب دیا۔میں نے کہا اس کا جواب تو آپ کو خود معلوم ہے اس حالت میں آپ کی دانشمندی سے بعید ہے کہ جس سوال کا جواب معلوم ہو پھر اس کا جواب دریافت کیا جائے اس پر اس نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں اس سوال کا جواب جانتا ہوں میں نے کہا کہ جواب کے مبادی اور مقدمات آپ کے ذہن میں ہیں اور ان کے لئے نتیجہ لازم ہے جب مبادی ذہن میں ہیں تو جواب بھی آپ کے ذہن میں ہے۔اور آپ کو معلوم ہے۔یہ سن کر اس نے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ مبادی و مقدمات میرے ذہن میں ہیں۔میں نے کہا ذرا صبر کیجئے میں ابھی آپ سے ان مقدمات کا اقرار کرائے لیتا ہوں۔سنئے آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں مذاہب مختلف ہیں۔نہ سب حق ہیں اور نہ سب باطل اور اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔مذہب حق ایک ہی ہو سکتا ہے۔باقی سب باطل۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر مذہب والے لوگ اپنے ہی مذہب کو حق اور سچا سمجھتے ہیں اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے کل مذاہب کو غلط اور باطل بتاتے ہیں اب بتایئے کیا یہ امور آپ کے ذہن میں ہیں یا نہیں

۔اس نے کہا ہیں میں نے کہا یہ سب جانتے ہیں کہ مذہب حق کا اتباع کرنے والا مثل مطیع سلطنت کے ہے اور اس کے خلاف کرنے والا مثل باغی سلطنت کے ہے۔آپ کو یہ تسلیم ہے یا نہیں۔اس نے کہا یہ بھی واجب التسلیم ہے میں نے کہا اب یہ سمجھ لیجئے کہ ایک شخص بہت بڑا فلسفی اور عالم ہے تمام کمالات سے آراستہ اور ہر قسم کے فضائل سے متصف ہے۔مگر بادشاہ وقت کی انتہائی مخالفت کرتا ہے ہر وقت علم بغاوت بلند رکھتا ہے۔ پھر اتفاق وقت سے وہ گرفتار ہو جاتا ہے اور بادشاہ وقت علم بغاوت بلند رکھتا ہے پھر اتفاق وقت سے وہ گرفتار ہو جاتا ہے اور بادشاہ اس کے لئے پھانسی کی سخت سزا تجویز کرتا ہے اس کا مال جائیداد ضبط کرتا ہے وہ اپنے کمالات کی وجہ سے جس انعام واکرام کا مستحق تھا اس سے محروم رکھتا ہے تو اب اس وقت اگر کوئی شخص کہے کہ ایسے ہنر مند و باکمال شخص کے ساتھ ایسی سخت سزاؤں کا روا رکھنا عدل وانصاف سے کوسوں دور اور کھلا ہوا ظلم ہے تو آپ ہی سب سے پہلے جواب دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ گو یہ بڑے بڑے کمالات کا حامل ہے۔مگر چونکہ اسکا جرم بہت ہی سنگین ہے کہ بادشاہ وقت کی بغاوت کی تھی۔اس لئے اب اس کے کمالات کی کوڑی نہیں اٹھتی ہے اور یہ عتاب شاہی کا سزاوار ہے اس کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ سراسر عدل وانصاف ہے۔اب فرمایئے یہ جواب صحیح ہوگا یا نہیں۔اس تقریر کو سن کر وہ بالکل خاموش ہو گیا کیونکہ جواب معلوم ہو گیا کہ غیر مسلم (کافر) رب العالمین کا باغی ہے اس لئے اسکا کوئی عمل خیر اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں اس کا جرم کفر بغیر توبہ کے قابل عفو نہیں وہ کسی قسم کے اجر و ثواب کا مستحق نہیں۔غرض تقریر مذکور بالا کے بعد میں نے کہا کہ پس ایسی صورت میں کہ آپ جواب جانتے ہیں سوال کرنے کا بجز اسکے کچھ نتیجہ نہیں کہ میں آپ کو کافر کہوں مگر مجھ کو اسلامی تہذیب اسکی اجازت نہیں دیتی ہے کہ میں کسی کو بلا ضرورت کافر کہوں۔اس نے کہا ہاں واقعی میں یہی کہلوانا چاہتا تھا اور ایسے منہ سے کافر سننے میں بھی حظ آتا ہے۔میں نے کہا کہ یہ آپ کا حسن ظن اور کمال شرافت ہے لیکن میری دینی تہذیب کا مقتضیٰ وہی ہے جسے میں نے عرض کیا۔اس کے بعد اس نے میرا پتہ پوچھا۔میں نے بتا دیا کہ تھانہ بھون میرا وطن ہے اس نے کہا کہ میں آریہ سماج کے جلسوں میں تھانہ بھون میں آتا رہتا ہوں اب کی بار اگر آنا ہوا تو آپ کی

خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا۔ مگر اب تک تو آیا نہیں اور نہ آئندہ آنے کی امید۔

مسلمانوں کو اپنے گھر کی دولت کا پتہ نہیں

۱۱۳- فرمایا آج کل لوگوں کو اپنے گھر کی دولت کی قدر نہیں ہوتی اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور بھیک مانگنے سے عار نہیں کرتے مولانا فرماتے ہیں۔

یک سبد پر ناک تر ابر فرق سر ۔۔۔ تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

تا بزانوئے میان قعر آب ۔۔۔ وز عطش وز جوع گشتستی خراب

"یعنی روٹیوں سے لبریز ہوا ٹوکرا تو سر پر رکھا ہوا ہے مگر تم در بدر ٹکڑے مانگتے پھرتے ہو اور گھٹنوں تک پانی بھرا ہوا ہے اور پھر بھی پیاس پیاس کا شور مچا رکھا ہے اور بھوک پیاس سے مرے جاتے ہو" اسی طرح آج کل مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کے تہذیب و تمدن پر مٹے جاتے ہیں اور اس تہذیب کو جو حقیقۃً تعذیب ہے حاصل کرنا چاہتے ہیں اسلامی تہذیب و اخلاق سے جو سر چشمہ حیات ابدی ہے بالکل بیگانہ ہیں۔ جاہل تو پھر بھی جاہل ہیں بعض مدعیان علم و فضل بھی اس گندے مرض میں مبتلا ہیں۔ کانپور میں ایک مولوی صاحب ہندوؤں کی تقلید میں دھوتی باندھتے اور کھڑاؤں پہنتے تھے لباس سے بالکل ہندو معلوم ہوتے تھے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے حال پر رحم فرمائے۔

اسلام مجسم اخلاق کی تعلیم ہے

۱۱۴- فرمایا حیدر آباد میں نواب فخر یار جنگ صاحب کے ہمراہ میں دار الضرب (ٹکسال) کی سیر کے لئے گیا تھا۔ اس کا منتظم ایک انگریز تھا اس نے بہت اچھی طرح سیر کرائی اور اخلاق سے پیش آیا۔ چلتے وقت اس نے ہاتھ ملایا۔ اس وقت میں نے اس سے کہا کہ آپ کے اخلاق تو مسلمانوں کی طرح ہیں۔ فخر یار جنگ صاحب اس جملہ پر بہت مسرور ہوئے۔ فرمایا کہ آپ نے اس کی تکریم بھی کی اور مسلمانوں سے گھٹائے بھی رکھا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جو اخلاق حقیقۃً اچھے ہیں وہ اسلام ہی کے ہیں اسلام ہی نے ان کی تعلیم دی ہے یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان اپنی

بد بختی کی وجہ سے بہرہ اندوز نہ ہوں۔ اور دوسری قومیں اس سے منتفع ہوں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا جس شخص کو نبوت ورسالت کا اعتراف نہ ہو اس میں اعلیٰ اخلاق کہاں سے آ سکتے ہیں۔ تمام اعلیٰ اخلاق کا سرچشمہ رسالت ہے اور وہ اس کا منکر ہے اس لئے اس کے قلب پر اعلیٰ اخلاق کا فیضان نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کو اپنے مذہب کی قدر نہیں

۱۱۵-فرمایا آج کل لوگوں نے بلکہ مسلمانوں نے مذہب کے ساتھ کھانے کا جیسا معاملہ کر رکھا ہے کہ اپنے گھر پلاؤ، زردہ اور مرغ مسلم بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا اور دوسرے کے یہاں کی دال بھی پسند آ جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب سے اکتا گئے ہیں اور مذہب کے ساتھ "کل جدید لذیذ" کا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسلامی احکام اسلامی تہذیب اسلامی اخلاق خواہ کتنے ہی اعلیٰ اور افضل کیوں نہ ہوں پسند نہیں آتے۔ طبائع بالکل مسخ ہوتی جا رہی ہیں۔ نیک و بد کا امتیاز ہی اٹھ جاتا ہے۔ کاش مسلمان ہوش میں آئیں اور اسلام جیسی نعمت عظمیٰ کی قدر پہچانیں۔

صبح نو بجے ۲۰ منٹ یکشنبہ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۸ء لکھنؤ

تکلف برطرف

۱۱۶-ایک صاحب زیارت کے لئے آئے اور دو زانو بیٹھ گئے۔ اس پر فرمایا تکلف کی ضرورت نہیں آرام سے بیٹھئے۔ یہ طالب علم کی مجلس ہے۔ کسی درویش یا عالم کی مجلس نہیں کہ اس قدر تکلف کو کام میں لایا جائے۔

پیری وصد عیب

۱۱۷-بڑھاپے اور ضعف کے ذکر پر فرمایا کہ مولانا رومی نے مثنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک معمر شخص طبیب کے پاس گئے اور ضعف بصر کی شکایت کی۔ طبیب نے کہا کہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بڑے میاں نے ضعف معدہ کا ذکر کیا۔ طبیب نے کہا یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ انہوں

نے پھر ثقل سماعت و درد اعصاب کا تذکرہ کیا طبیب نے اپنے اسی سابق جواب کا اعادہ کر دیا غرض یہ بوڑھے جو شکایت بھی کرتے طبیب یہی کہہ دیتا کہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ حتیٰ کہ بڑے میاں کو غصہ آ گیا اور طبیب کے ایک دھول رسید کیا اور کہا بس تو نے یہی پڑھا ہے کہ جو مرض ہو وہ بڑھاپے کی وجہ سے ہی ہے۔ طبیب نے ہنس کر کہا کہ بڑے میاں میں آپ کی اس حرکت سے کبیدہ نہیں ہوا۔ یہ حرکت بھی بڑھاپے ہی کی وجہ سے ہے ۔ واقعی یہ جو مشہور ہے کہ پیر و صد عیب بالکل درست ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں یہ سنتا تھا کہ جوانی جانے سے زندگانی جاتی رہتی ہے تو تعجب ہوا کرتا تھا۔ مگر جب بڑھاپا آ گیا تو اس کی تصدیق ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ واقعی یہ مقولہ بالکل درست ہے۔

کانگریسی حکومت

۱۱۸- کانگریسی حکومت کی بدنظمیوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ انگریزوں کو مدت سے حکومت کرتے کرتے تحمل و مآل اندیشی کی عادت ہو گئی تھی وہ ہوش سے کام کرتے تھے اور چونکہ کانگریس کی حکومت نئی نئی ہے۔ اس لئے جوش زائد ہے اور تشدد و سختی کر رہے ہیں ان کی وہی حالت ہو رہی ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ ''واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد (یعنی جب منافق کو حکومت مل جاتی ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ دنیا میں فساد برپا کرے اور زراعت اور مواشی کو ہلاک کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد کی باتوں کو پسند نہیں فرماتے۔۱۲)۔ تولی کے دو معنی ہیں ایک پیٹھ پھیرنے کے۔ دوسرے حاکم بننے کے۔ میں نے دوسرے ہی معنی کے لحاظ سے تشبیہ دی ہے۔

کانگریس کی غلطی

۱۱۹- فرمایا کانگریس کو چاہئے تھا کہ اتفاق سے جو موقع ہاتھ آ گیا تھا اس کو غنیمت سمجھتی اور دلجوئی و مراعات سے حکومت کرتی مگر اس سے ایسا نہ ہو سکا حتیٰ کہ خود اس کے حمایتی بھی اسکی

موجودہ روش کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہی انداز رہے تو کام کا چلنا معلوم۔

حدیث اعمالکم عمالکم کی تشریح

۱۲۰- فرمایا ایک حدیث ہے مجھ کو اسکے متن کے الفاظ اور سند کی تحقیق نہیں۔ البتہ مضمون دوسری نصوص سے مؤید ہے غالباً الفاظ یہ ہیں اعمالکم عمالکم یا عمالکم اعمالکم یعنی اے مسلمانو! جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی حکام تم پر مقرر کئے جائیں گے۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو حکام بھی اچھے ہوں گے اور اگر اعمال برے ہوں گے تو حاکم بھی شریر و ظالم ہوں گے۔

غفلت کا نتیجہ

۱۲۱- فرمایا ایک شخص نے مجھ سے کہا بتایئے کفار میں کونسی لیاقت اور کونسا ایسا استحقاق ہے جسکی وجہ سے مسلمانوں کو محروم کر کے ان کو حکومت عطا کی گئی ہے۔ میں نے کہا ہم مسلمان محروم تو اپنی نالائقی اور نااہلی کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ اور کفار کو بلا استحقاق و بلا قابلیت دیدی گئی تا کہ ہم کو تنبیہ ہو۔ اور ہم خواب غفلت سے بیدار رہوں کہ جو چیز ہمارے پاس ہونا چاہئے تھی وہ ہماری غفلت شعاریوں کے سبب دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔ سو جب تک ہم اپنی حالت کو شرعی آئین کے ماتحت درست نہ کریں گے عنان حکومت بھی ہمارے ہاتھ میں نہ آئے گی۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ بعض اوقات شاہانِ زمانہ اپنی اولاد کو معمولی اور کم درجہ کے ملازمین سے سزا دلواتے ہیں تو کیا اس سے ان ملازمین کا محبوب و لایق و اہل ہونا لازم آتا ہے ہرگز نہیں ہاں اولاد کا نالائق ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔

صحیح ترقی کے اسباب

۱۲۲- فرمایا اب تو لوگوں کا یہ عقیدہ ہی نہیں رہا کہ ایمان، اخلاص اور اعمال صالحہ کو نصرت فلاح اور ترقی میں دخل ہے۔ آج کل تو خدا اور رسول کو چھوڑ کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ دوسری قومیں کس طرح ترقی کر رہی ہیں۔ حالانکہ اپنی ترقی کو کفار کی ترقی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس کو ایک

مثال میں سمجھئے۔ ایک بھنگی عطر فروشوں کے بازار میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ لوگ اپنی عادت کے موافق اسکو عطر سونگھانے لگے لیکن وہ ہوش میں نہیں آیا۔ اتفاقاً ایک دوسرے بھنگی کا ادھر گزر ہوا اس نے کتے کا پاخانہ سونگھایا اور وہ فوراً ہوش میں آ گیا۔ اب اگر کوئی شخص اس بھنگی کے ہوش میں آنے کی تدبیر کو علی الاطلاق مفید سمجھ لے اور عطر سونگھانے کے طریقہ کو غیر مفید سمجھ کر چھوڑ دے۔ پھر اسی بھنگی کے نسخہ کو کسی نفیس مزاج لطیف طبع انسان پر استعمال کرے تو نتیجہ یقیناً ناکامی کی شکل میں ظاہر ہوگا وہ ہوش میں تو کیا آئے گا اور اس کی بے ہوشی و امراض دماغی میں اضافہ ہوگا۔ یہ تو عمدہ اور بیش بہا لخلخوں ہی کے سونگھانے سے ہوش میں آئے گا۔ بس ایسے ہی مسلمان کفار کے طریقوں سے راہ ترقی پر گامزن نہ ہوسکیں گے۔ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کا راز اعمال صالحہ اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ لہذا اس پر مداومت کیجئے اور رحمت خداوندی سے ثمرات و نتائج کے امیدوار رہئے۔

انگریزوں سے نفرت مگر انگریزیت سے محبت

۱۲۳- فرمایا تعجب ہے کہ جو لوگ اس کے دعوے دار ہیں کہ ہم ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا چاہتے ہیں وہ خود انگریزیت کی حد درجہ حمایت کرتے ہیں انگریزی فیشن، انگریزی تہذیب، انگریزی تمدن پر لٹے ہوئے ہیں اور کانگریس تو باوجود اسی دعوے کے انگریزوں کو نکالنا ہی نہیں چاہتی اور درحقیقت ان کی عافیت ہے بھی اسی میں کہ انگریز ہندوستان میں رہیں ورنہ ہندو امن و اطمینان سے ہرگز حکومت نہیں کرسکتے۔ ہر وقت ایک ہلچل اور ہڑبونگ مچی رہے گی۔ اس لئے ہندو انگریزوں کے زیر سایہ اپنی قوم کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں۔ کاش مسلمان بھی ان امور پر نظر غائر ڈالیں اور مآل اندیشی سے کام لے کر صحیح طریق پر چلنے لگیں۔

تکلف سے گرانی ہوتی ہے

۱۲۴- مولانا جمیل احمد صاحب کے نام جناب مولانا شبیر علی صاحب مدیر النور کا خط آیا کہ حضرت لکھنؤ سے تھانہ بھون کس تاریخ کو روانہ ہوں گے اطلاع دیجئے تاکہ میں مقررہ تاریخ سے

پہلے لکھنؤ حاضر ہو جاؤں مولانا جمیل احمد صاحب نے حضرت سے اس اطلاع کی اجازت طلب کی حضرت نے فرمایا ان سے راحت تو ہر قسم کی ملتی ہے مگر اطلاع اس لئے مناسب نہیں کہ وہ تکلف سے کام لیتے ہیں یعنی آمد و رفت کا کرایہ مجھ سے نہیں لیتے اس سے شرم آتی ہے اور گرانی ہوتی ہے

کیا الیکشن نفس شکنی کا ذریعہ ہے

۱۲۵- فرمایا ایک صاحب مبتلائے الیکشن کہتے تھے کہ الیکشن میں نفس خوب شکستہ ہوتا ہے کہ دوٹوں کی خاطر ہر کہ و مہ کی جا و بیجا خوشامد کرنا پڑتی ہے انہوں نے اپنے نزدیک الیکشن جیسی لغو حرکت کی خوب توجیہ کی میں نے کہا کہ جناب یہ شکستگی بھی نفس کے موٹا کرنے کے لئے ہوتی ہے کہ چند روز کی خوشامد اور تواضع سے ایک دراز مدت تک عزت کی کرسی پر بیٹھنا نصیب ہوگا اور ایک گونہ حکومت رہے گی۔ پھر جن لوگوں کی کل خوشامد کرتے پھرتے تھے کامیابی کے بعد ان سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے کیا شکستگی اسی کو کہتے ہیں۔

اسٹیشن پر وقت سے پہلے پہنچنا احتیاط ہے

۱۲۶- فرمایا سفر کے لئے اسٹیشن پر وقت سے پہلے پہنچنا اچھا اور احوط ہے گو وہاں انتظار میں بیٹھنا ہی پڑے اسی میں راحت ہوتی ہے۔ دیر کر کے جانے میں بعض اوقات عوارض کے پیش آنے سے پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ گاڑی بھی چھوٹ جاتی ہے ایک مرتبہ میں دہلی سے روانہ ہونے کو تھا۔ میں نے میزبانوں سے تقاضا کیا کہ اسٹیشن کے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے سب لوگ کہنے لگے کہ موٹر پانچ منٹ میں پہنچا دے گا۔ ہم وقت سے پندرہ منٹ پیشتر چلیں گے مگر میرے اصرار پر پندرہ منٹ سے بہت پہلے روانہ ہوئے جب جمنا کے پل پر پہنچے تو سامنے ایک چھکڑا جا رہا تھا اور برابر میں اس نے نکلنے کا راستہ نہیں دیا۔ بگل بجایا آوازیں دیں لیکن اس نے ایک نہیں سنی اور ہنستا رہا بالکل بیچوں بیچ چلتا رہا۔ اس کش مکش میں خوب کافی دیر لگ گئی۔ اس وقت میں نے کہا اس معاملہ میں آپ کو انگریزوں کی تقلید نہ کرنا چاہئے۔ اگر اس وقت کسی انگریز کا موٹر ہوتا تو فوراً چھکڑے کو ایک جانب کر کے راستہ دے دیا جاتا۔ غرض بدقت تمام گاڑی ملی سر سید احمد

خان کا معمول تھا کہ اسٹیشن پر وقت سے پہلے پہنچ جاتے تھے۔ پھر خواہ وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول رہا جاوے وقت کو بے کار ضائع نہ کیا جائے۔ واقعی اسٹیشن پر پہنچ کر یکسوئی اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔

خاتمۃ التالیف

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ بوقت صبح سہ شنبہ بتاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مکرمی جناب سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی کے ارشاد کی تعمیل میں ان ملفوظات کی نقل سے فراغت ہوگئی۔ میں جناب ممدوح کا ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ خدمت باسعادت مجھ ناکارہ کے سپرد فرمائی۔ ناظرین سے صرف ایک استدعا ہے کہ میرے اور میری اولاد و مشائخ و احباب کے لئے کم از کم ایک ہی مرتبہ ضرور فلاح دارین کی دعا فرماویں۔

ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین

اسعد اللہ: مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور